نیرنگِ فطرت

یعنی

اندرجیت شرما کی ادبی اخلاقی قومی اور نیچرل نظموں کا مجموعہ

جسکو

مینیجر اردو بک ڈپو ماچھرہ ضلع میرٹھ نے

شائع کرایا

باہتمام مولانا شعیب احمد صاحب ندرت

پہلا ایڈیشن

احسن المطابع میرٹھ میں چھپی

قیمت [illegible]

فہرست مضامین

تصاویر یہ ہیں (۱) تصویرِ مصنف (۲) کرشن جی کی بانسری (۳) پرستارِ حسن (۴) بہارِ حسن



پنڈت اندرجیت شرما تیاگی
تاریخ پیدایش ۳ دسمبر سنہ ۱۸۹۳ع مقام کھرکھودہ ضلع میرٹھہ

مقدمہ

سلاست زبان، چستی بندش، شستگی الفاظ، پاکیزگی تخئیل جیسی خصوصیات جس خوش نصیب شاعر کے کلام کی زینت بن جائیں اس کی کامیابی ہر حیثیت سے قابلِ رشک ہے اس لئے کہ یہی خوبیاں شاعری کا لوازمہ و سرمایہ سمجھی جاتی ہیں جو قدرت کی جانب سے ہر کس و ناکس کو عطا نہیں ہوتیں، بقول شخصے، ع

این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

البتّہ نکتہ چینی و حرف گیری ہی مقصود ہو تو کسی انسان کا کلام بھی خواہ وہ کیسا ہی فصیح و بلیغ اور مربوط و منضبط کیوں نہ ہو معترض کی نظر میں سے عیب و نقائص سے پاک و صاف نہیں رہ سکتا اور اس میں کسی نہ کسی پہلو سے اعتراض کی گنجائش نکالی ہی جا سکتی ہے، پس نیرنگ فطرت کی نسبت بھی جو اس وقت آپ کے پیشِ نظر ہے یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ وہ کوئی صحیفۂ آسمانی ہے جس میں کسی غلطی و فروگزاشت یا کوتاہی و سہو کا امکان ہی نہ ہو کیونکہ اس کا مصنف (اندر جیت شرما) بھی آخر انسان ہے فرشتہ نہیں بمقتضائے بشریت وہ بھی لغزش و نسیان کا مرتکب ہو سکتا ہے اور یہ اس کی فطرت ہے جس کو دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی،

محولہ بالا مقتضیات کو جو انسانی فطرت میں داخل ہیں نظرانداز کر دینے کے بعد اگر شرما کے کلام پر مبصرانہ و محاکمانہ نظر ڈالی جائے گی تو اس کی عرق ریزی و جانکاہی ہر حیثیت سے قابلِ تحسین و ستایش ثابت ہو گی کیونکہ شاعری کا جو اصل مقصد ہے اس کے تکملہ میں شرما نے پوری پوری کوشش کی ہے اور وہ اس میں

ایک حد تک کامیاب بھی ہو چکا ہو۔

شہرا کا انداز بیان سادہ و دلکش ہونے کے علاوہ غیر مانوس ترکیبوں، پیچیدہ و ادق بندشوں اور خلاف قیاس مبالغوں سے پاک وصاف ہے اُس نے اپنے تاثرات و جذبات کو سہل سے سہل اور سبک سے سبک الفاظ میں ادا کیا ہو، اُس نے اپنے پاکیزہ تخیلات کو فصاحت و بلاغت کے سانچے میں ڈھالا ہے اور معانی کی دلآویز تصویروں کو سلیس و عام فہم اُردو کا لباس پہنا کر زیب قرطاس بنایا ہو،

شہرا ایک نوجوان و جواں ہمت شاعر ہے لیکن یہ اس کی ذہانت خداداد کا ایک کھلا معجزہ ہے کہ وہ چند سال ہی کی مشق میں اپنے مجموعہ کلام (نیرنگ فطرت) کو منظر عام پر لانے کے قابل بن گیا اور اُس نے نہایت ہی آسانی کے ساتھ خوشگویانِ دورِ جدید کی صف میں ایک ممتاز اور نمایاں جگہ حاصل کر لی،

جہاں تک اکتساب فن کا تعلق ہے اس میں شہرا نے مجھ سے استفادہ ضرور کیا ہے لیکن میرا مشورہ محض الفاظ کے واجبی تغیر و تبدل اور ترمیم و اصلاح تک محدود رہا ہے خیالات میں کبھی تصرف کی نوبت نہیں آئی، اس لئے شہرا نے جو کچھ ترقی کی وہ اسی کے انہماکِ کامل اور ذوقِ سلیم کا نتیجہ ہو، اُستاد شاگرد کی رہنمائی ضرور کرتا ہو لیکن ارتقائی منزلوں کا طے کرنا شاگرد ہی کی استعداد و اہلیت پہ منحصر ہوتا ہو اس لئے اگر شہرا کو قدرت کی جانب سے جدت آفریں طبیعت اور دردمند دل عطا نہ ہوتا تو میرے مشوروں کے باوجود بھی اُس کی شاعری میں کوئی لذت و کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی تھی،

موجودہ دور میں ایسے شاعر بہت کم ہیں جن کا قلم مختلف اصناف سخن کے میدان میں آسانی و بے تکلفی کے ساتھ جولانیاں دکھا سکے، لیکن شہرا کی شاعری کسی ایک

ہی صنف تک محدود نہیں، اُس نے، نظم، مسدس، مخمّس، تضمین، غزل، غرض جس صنف کو جس موضوع کے لئے موزوں سمجھا اُسی میں اپنی طبع خداداد کے جوہر دکھا دیئے ہیں۔ اس مجموعہ میں ہر قسم کی نظمیں جو مختلف موضوعات وعنوانات کے ماتحت لکھی گئی ہیں آپ کے ملاحظہ سے گزریں گی اور آپ دیکھیں گے کہ شررا نے مناظر قدرت کی نقاشی، محاسن فطرت کی مصوری، اور جذبات محبّت کی ترجمانی کے کیسے کیسے دلآویز دروح پرور نمونے پیش کئے ہیں، اور حکیمانہ وفلسفیانہ مضامین کے کیسے کیسے گرانقدر موتی صفحۂ قرطاس پر بکھیرے ہیں، اپنی بائیں جانب کے اوراق اُلٹئے اور دیکھئے کہ شررا کے تاثرات واحساسات کس کس رنگ میں آپ سے خراجِ تحسین کا مطالبہ کررہے ہیں۔

شررا کی بیشتر نظمیں انسانی تہذیب وشائستگی کا مکمّل سبق اور اخلاقی تعلیمات کا دریا بکوزہ لبّ لباب ہیں جو ہمارے نوجوانوں کے خیالات کی اصلاح کے لئے بہت کچھ موثر وکارآمد ثابت ہوں گی۔

شررا کی یہ عین خوش نصیبی ہے کہ اُسے قدرت نے حُسنِ بیان کے ساتھ تاثیر کا جوہر لطیف بھی عطا فرمایا ہے جس نے اُس کے کلام میں دل کو تڑپا دینے والی ایک ٹیس اور رُوح پر وجد طاری کردینے والی ایک کیفیت پیدا کردی ہے، خدا کرے کہ یہ مجموعہ قبولیت عامہ حاصل کرے اور شررا کی شاعری اربابِ ذوق وشوق کی دل چسپی وتفریح روحانی کا سامان اور ابنائے وطن کی خدمت کا موثر وکارآمد ذریعہ ثابت ہو۔

قدرت

مدیر اخبار آئینہ میرٹھ

دیباچہ

ہزار ہا فنونِ لطیفہ میں سے فنِ شعر ایسا فن ہے جو باقیوں کی نسبت رُوح کے لئے زیادہ دلپذیر خوراک ہے، اسی لئے انسانی فطرت نے اس کو انتخاب کیا ہے، مغموم انسان اور غمگین انسان شعر اور نظم کی ایک لے سے تمام تفکّرات کو بھول جاتا ہے، غمی کے آثار اُس کی طبیعت سے دُور ہو جاتے ہیں، اور رنگینیٔ عیش کے دفتر اُس کی چشمِ باطن کے سامنے کھُل جاتے ہیں، نثر کا ٹکڑا دلفریب ہو سکتا ہے، دل پر اثر کر سکتا ہے، لیکن دل گداز ہونا اور دل کی انتہائی گہرائیوں میں اُتر جانا نہ صرف اتر ہی جانا بلکہ وہیں قیام گزیں ہو جانا یہ کام شعر کا ہے اور صرف شعر کا ہے، اسی لئے مولانا حالی نے کہا ہے؎

اے شعر دلفریب نہ ہو تو، تو غم نہیں
پر تجھ پہ حیف ہے، جو نہ ہو دلگداز تو

آپ نثر کی ہزار ہا کتابیں پڑھ جائیں، سوا خاص حالتوں کے وجد میں نہیں آئیں گے لیکن نظم کا ایک ایک شعر، ایک ایک مصرع، بلکہ ایک ایک رُکن آپ کی رُوح پر وجد طاری کر دے گا، اور آپ جھُومنے لگ جائیں گے، اس لئے کہ شعر انسانی فطرت کا ایک جزو ہے، شعر کی ہر دلعزیزی کا ایک اور پہلو بھی ہے، اگر آپ اُس پر غور کریں گے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ انسان کی زندگی میں اصولاً شعر کا نمایاں حصّہ ہوتا ہے، باقاعدہ اور سلیقہ سے رکھی ہوئی چیزوں کو آپ پسند کریں گے؛ اس لئے کہ بے قاعدگی اور بے ڈھنگاپن سے انسان کو نفرت ہے، ایک خوبصورت مکان کو دیکھ کر آپ کھڑے ہو جاتے ہیں، عش عش کر اُٹھتے ہیں، خوبصورت

کتاب آپ کے دل میں اُتر جاتی ہی ہیں تو خوبصورت" کی تعریف بھی باقاعدہ کیا کرتا ہوں، اور چونکہ نظم میں نثر کی نسبت الفاظ کی باقاعدگی اور باسلیقگی زیادہ ہوتی ہے اس لئے نظم خوبصورت مرکب الفاظ کا نام ہے، اسی لئے نظم انسانی فطرت کی نگاہ میں زیادہ پسندیدہ ہے، اور اگر نظم شعر کے درجے تک پہنچ جائے تو پھر تو اس کی ہر دلعزیزی، پسندیدگی، کیفیت نوازی کی کوئی حد نہیں رہتی،

(۲)

فن شعر کی اتنی تمہید عرض کرنے کے بعد میں اس کتاب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، جس کا ادب نواز حضرات میں تعارف کرانے کا شرف مجھے حاصل ہوا ہے، پنڈت اندرجیت شرما میرے کرم فرماؤں سے ایک ہیں، ایک مدت سے میں ان کا کلام متعدد رسائل میں پڑھتا رہا ہوں، ذاتی ملاقات کا موقع ابھی تک نہیں ملا، لیکن کلام کے ذریعے سے جو عقیدت مجھے ان سے ہے اس کی بنا پر میں اس مجموعہ اشعار کو ادبی دُنیا میں پیش کرنے کا فخر حاصل کرتا ہوں، اس لئے کہ مجھے ان کے کلام میں ایسی خوبیاں نظر آتی ہیں، جن تک عام شعرا ابھی نہیں پہنچے،

میرے نزدیک شاعری ٹوٹے پھوٹے الفاظ، بے معنی تراکیب، مہمل اور فضول استعاروں کو ایک جگہ جمع کر دینے کا نام نہیں، اور نہ ہی پُر اپنے خیالات کو نئے الفاظ میں پیش کر دینے کا، میری یہ رائے بے دلیل نہیں، اپنے ساتھ وزن رکھتی ہے، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ شاعری ٹوٹے پھوٹے الفاظ، اور فضول تراکیب وغیرہ کا نام ہے تو شاعر اپنے ملک، اپنی قوم، اپنے خط اور اپنے عقیدت مندوں کے حلقہ کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتا،

مشکل گو شاعر کی شاعری ہو نہ ہو، برابر ہے، اُس کے دماغ سے اُتری

کاغذ کے چند ٹکڑوں پر ٹھہری، اور وہیں بند ہوگئی، لوگوں کو اس سے کیا فائدہ ہوا،
غالب بہت بڑا شاعر تھا، بہت بلند پایہ شاعر تھا، بلکہ بعض حالتوں میں اسے بے
مثال تک کہہ دینا بھی بے مبالغہ ہوگا، لیکن داغ نے جو بات پیدا کی وہ غالب میں
کہاں تھی، شعر زندگی بخش تب ہی ہو سکتا ہے جب سادہ ہو، آسان ہو، عام فہم
ہو، خواص نہیں بلکہ عوام اس کو سمجھ سکیں، پڑھا نہیں کہ دل میں اترا نہیں، سنا
نہیں کہ روح پر کاری ہوا نہیں، غالب کا ایک شعر یاد آگیا ؎

شب خمارِ شوقِ ساقی رستخیز اندازہ تھا
تا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

اگر "تھا" کی جگہ "بود" کر دیا جائے، تو فارسی کا شعر بن جائے، حالانکہ غالب نے
اسے اردو سمجھ کر لکھا تھا، بجائے خود بہت بلند شعر ہے، فلسفیانہ اعتبار سے ادب
کا لاثانی ٹکڑا ہے، لیکن عوام کے لئے زندگی بخش، حیات آفریں اور وجد آور
نہیں ہو سکتا، قدمائے وقت کے لئے ممکن ہے، ہو، مگر اس زمانہ کے مذاق کے
مطابق اسے شاعرانہ کمال نہیں کہا جا سکتا، غالب کی شاعری کے متعلق یہ
گستاخانہ خیالات نظر انداز کئے جانے کے قابل ہیں، کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں، کہ
"گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" لیکن یہ خیالات غالب کی ساری شاعری کے متعلق نہیں،
کیونکہ انہی کے کلام میں ایسے ایسے آسان اور عام فہم شعر بھی ملتے ہیں، کہ جو دل
پر نقش ہو جاتے ہیں، کتنا سادہ شعر کہا ہے ؎

زندگی اپنی جب اس طرح سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

کتنی بے ساختگی ہے، ایک دفعہ پڑھ لیجئے، ساری عمر نہیں بھولئے گا،

پنڈت امرجیت شرما کی شاعری اسی لئے پسندیدہ ہے، کہ اس میں نہ صرف غالب کے دوسرے شعر کی تقلید کا خیال رکھا گیا ہے، بلکہ اس کی پوری پوری پابندی کی گئی ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

ذرّوں کو کیا خدا نے یہ زندگی عطا کی — تصویر سامنے ہے، سب کے فنا بقا کی
جو آج بس رہا ہے، دُنیا میں جسمِ خاکی — پھر اس پہ مہربانی ہوگی کبھی خدا کی

زندگی کے ایک اُصول کو کس سادگی، اور کس لطفِ زبان سے ادا کیا، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جو شعریت آشنا کہلاتے ہیں، ایک اور جگہ ہندوستان کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں ؎

لایا جہاں کے واسطے راحت کا تو پیام
روشن ترازسحر ہوئی دُنیا میں تیری شام

دوسرا مصرع قابلِ داد ہے، آسان طرزِ بیان میں ایک نکتہ بیان کر گئے ہیں، جس سے شعر میں ایک چلبلا پن پیدا ہو گیا، اس شعر کی ایک اور خوبی یہ ہے، کہ شعریت کو پایہ سے نہیں گرا، بعض لوگ زبان کو سادہ، سلیس اور عام فہم کرتے کرتے تخیل اور پرواز طبع کا دامن چھوڑ دیتے ہیں، دوسرا مصرع بلندیٔ تخیل کا گواہ ہے، کتنا پیارا مصرع واقع ہوا ہے۔ ع

روشن ترازسحر ہوئی دُنیا میں تیری شام

شعر میں پے در پے اضافتیں جمع کر دینا، چنداں عیب نہیں، قدما کے دور میں اس کی مثالیں اکثر ملتی ہیں، غالب ہی کا ایک مصرع لیجئے، ع

کمالِ گرمیٔ سعیٔ تلاشِ دید نہ پوچھ

لیکن فی زمانہ وہی شعر بلند اور دلنشیں کہا جائے گا، جسے شاعر نے مسلسل اضافتوں

سے بے نیاز کر دیا ہو، اور مضمون کو پیار ے، عام فہم، سلیس، اور بے ساختہ رنگ میں بیان کر دیا ہو، میں تو اُس شعر کو آسمان شاعری کا سورج قرار دوں گا، جس میں فارسی اور عربی کا ایک بھی لفظ موجود نہ ہو، اضافت نظر نہ آئے، اور شعریت کے اعتبار سے اپنی جگہ پر برابر قائم ہو، داغ کا ایک شعر اس وقت یاد آگیا، جسے میں اس کا شاہکار کہا کرتا ہوں ؎

سکتہ ہے مجھے حُسن سے وہ عشق سو حیران
دیوار کھڑی ہوگئی، دیوار کے آگے

اس شعر نے شاعر داغ کو مصوّر داغ بنا دیا،

پنڈت اندر جیت جی نے بھی بعض اشعار میں واقعات کی تصاویر کھینچ کر رکھ دی ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

(۱) ؎ میری آنکھوں میں اُتر آیا ہے عالم نُور کا
ذرّہ ذرّہ سے عیاں ہوتا ہی جلوہ طور کا

(۲) ؎ اے دردِ عشق! ہاں مرے پہلو میں تو تڑپ
شعلہ! بھڑک کے آگ لگا دے حجاب میں

آنسو کو مخاطب کر کے فرمایا ہے ؎

(۳) غازہ کرتا ہے اگر روئے عروس شام پہ
بن کے رہتا ہے ستارہ چرخ نیلی فام پہ

(۴) ہندوستانیوں کی غریبی کی تصویر کیسی دردناک کھینچی ہے ؎

سب اہلِ ہند مست ہیں جام خماں ہیں ... گاتے ہیں مرد و زن سبھی ہولی کا راگ آج
ہے پیٹ کو اناج نہ کپڑا بدن کو ہے ... ہر شخص کھیلتا ہے لنگوٹی میں پھاگ آج

شعر کی ایک خصوصیت معاملہ بندی ہے جسے پرانے زمانہ کے شعرا کی اصطلاح میں غزل گوئی کا نام دیدیا گیا ہے، فن کی کتابوں میں غزل کی جو تعریف لکھی ہے، اُس کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا، کہ متقدمین نے اس میدان میں اتنی تیزی اور کثرت سے شہسواری کی ہے، کہ زمین نظم ہی کو نہیں بلکہ آسمانِ تخئیل کو بھی پامال کرکے رکھدیا ہے، مومن، غالب، ذوق، امیر مینائی، ناسخ، اور داغ وغیرہ فضائے تغزل میں اتنے اُڑے، کہ اب اور کسی کو پرواز کی جرأت نہیں ہوتی،

اس میں بھی جہاں تک تخئیل کا تعلق ہے، گنجائش باقی ہے، جوں جوں انسانی دماغ کو ترقی اور اُس کے ذہن کو نشو و نما کا موقع ملتا جائے گا، وہ اپنے لئے نیا میدان، نیا تخئیل، نیا پرِ پرواز ایجاد کرتا چلا جائے گا، لیکن عُریانی، بوس و کنار کے بیانات، گل و بُلبُل کے فسانے، اور حُسن و عشق کی فرسودہ اور غیر مہذبانہ حکایات زمانہ حال کے نزدیک قابلِ مذمت اور قابلِ ترک ہو گئے ہیں، مجھے خوشی ہے کہ نپاٹ انار رحیجیت شرما نے اس قسم کے متروکات کو نہ صرف خیال میں رکھا، بلکہ اس کی تاحدِ امکان تعمیل بھی کی، ان کے سارے کلام میں مُجھے کوئی ایسا شعر نظر نہیں آیا، جسے میں اپنی نوجوان بہن، نوجوان بھائی، اور نوجوان بیٹے کو پڑھ کر سناتے وقت شرم محسوس کروں، پاکیزگی کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے، اُن کی شاعری "نیچرل اور قومی" دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے، چاندنی رات، شاعر، قوسِ قزح، بہار کا آخری پھول، کوہِ ہمالہ، گنگا، آفتاب، دردِ عشق، پیاری کتاب، ستارۂ صبح، بچے کا خواب، تنکا، جگنو، برسات، ہندوستان، وطن، وغیرہ ایجاداتِ قدرت سے باتیں

[illegible]

کرتے ہیں، اُن کی شاعری اس قابل ہے، کہ اس کا خیر مقدم کیا جائے، کیونکہ وہ اپنے ہموطنوں کے درد میں ڈوبی ہوئی ہے، اپنے وطن کی بہتری اور بہبودی کی طالب ہے انسانوں سے ہمدردی کے جذبات کی سفارش کرتی ہے، اور اخلاق حسنہ کو اونچا کر کے سوسائٹی کو زندگی کا لطف اٹھانے کے قابل بناتی ہے، بس ایک لفظ میں ان کی شاعری کی تعریف کروں گا، کہ انسان دوسروں کے کام آئے، پنڈت اندرجیت کے ایک شعر پر اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں ؎

بھوک میں پیاس میں امداد کروں غیروں کی
اور مریضوں کے لئے نقش شفا بن جاؤں

نانک چند ناز
ایڈیٹر پرتاپ لاہور

تبصرہ

"دیباچہ و تقریظ، تنقید و تبصرہ بہ زمانہ موجودہ رسمیات سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ اب اس میں کیفیات صحیحہ کا اظہار نہیں ہوتا، مراسم مداح سرائی کے لئے مجبور کرنیوالے ہوتے ہیں اور حسد بیجا نکتہ چینی کا دروازہ کھول دیتا ہے، صحیح خیال کے اظہار کا جذبہ مفقود ہوجاتا ہے اس لئے بیشتر اس قسم کی تحریرات طولانی اور لایعنی دماغی عیاشی کے نمونہ سے زیادہ اور کچھ نہیں کہی جاسکتی ہیں"۔

(۲)

اندرجیت شرما جب نیرنگ فطرت کے مسودہ کو بغل میں دبائے مولانا ندرت مدفیوضہ کی جناب میں برائے نظر ثانی و اہتمام اشاعت آئے تو اتفاقاً میں بھی بیٹھا تھا میں نے یہ سن کر کہ یہ ایک اپنی تصنیف برائے اشاعت لائے ہیں کئی مرتبہ اوپر سے نیچے تک متعجبانہ نگاہوں سے انہیں دیکھا اور سوچا کہ (کھر کھودہ) جیسے کوردہ کے رہنے والے اور ایسی سوسائٹی میں زندگی بسر کرنے والے جہاں فن ادب ایک بیکار لفظ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کیا سکتے ہوں گے، چند لایعنی ٹکڑوں کو بزعم خود اشعار سمجھتے ہوں گے اور شہرت و نمود کے شوق کے باعث صرفۂ اشاعت کا بار اٹھانا چاہتے ہیں،

یہ تھے وہ خیالات جو میرے دماغ میں چکر کھا رہے تھے اور شرما صاحب میرے روبرو بیٹھے تھے آخرکار مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے نہایت بیصبری کے ساتھ بیباکانہ اُس مسوّدہ کی کاپی کو اٹھایا اور کھولا پہلا ورق جو اتفاق سے کھلا سرسری نظر کے بعد اُس پہ میری آنکھیں گڑ گئیں، اور میں نہ معلوم کن کیفیات و حسیات کے اندر ڈوب گیا، چند مرتبہ نظر اٹھا کر میں نے شرما صاحب کو گھور گھور کر دیکھا، ہائے جذبات

فطرت کا کس سادگی سے اظہار تھا اب تک لطف آتا ہے اور جذبات حقیقت کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے، کیا خوب کہتے ہیں ؎

ہائے یہ موسم گلوں کا ہائے یہ عہد شباب — بے پئے رگ رگ میں ہے کیفیت بادہ شراب
مست ہو کر گا رہی ہیں کیا حیا کیسا حجاب — تالیاں یہ کیا ہیں بجتا ہے ہتھیلی کا رباب

زندگی کا لطف جھولے میں ہے یا گلشن میں ہے
فصل گل میں، ننھی ننھی بوندوں میں ساون میں ہے

بالاستیعاب میں نے جلدی جلدی ورق گردانی شروع کی روح میں ایک تازگی پاتا تھا وجدانی لذت کا ایک دریا قلب میں موجزن تھا اور دو چار منٹ نہیں بلکہ پہروں نیرنگ فطرت کو دیکھتا رہا، میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ سرمایہ صرف تین سال کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے، گو شرما صاحب کو مولانا ندرت جیسے ماہر فن کے سامنے جو مولانا حسرت موہانی جیسے ناقدِ فن کی نظر میں بھی ہندوستان کے اساتذۂ مسلمہ کی فہرست میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں خوش قسمتی سے زانوئے ادب تہ کرنے کا موقع ملا اور یہ صحیح ہے کہ استاد کی نظر کیمیا بنا دیتی ہے مگر قلب ماہیت کا مادہ نہ ہو تو کیا ہو سکتا ہے۔ شرما ایک زندہ جذباتِ فطرت کے اظہار پر قادر اور پُر سکون لمحوں میں واردات و کیفیات دلی اور زندگی کی ارتقائی ہیئت کا آئینہ بن گیا ہے، چشم بد دور خدا عمر دراز کرے، میں بلا خوف یہ کہہ دینے پر تیار ہوں کہ کچھ عرصہ کے بعد شرما ایک مستند ناظم اور مسلم الثبوت شاعر بن جائے گا، زمانہ لاکھ مخالفت کرے اور نا قدر دانی کے ہاتھوں کیسے ہی حوادث سے دوچار ہونا پڑے یہ حسنِ فطرت کا مغنی اپنی لے نوازی سے سامعہ پر کیفیاتِ وجدانی طاری نہ کر دے تو میرا ذمہ،

اشعار کے انتخاب کا کوئی خاص معیار نہیں، یہ صرف انتخاب کرنے والے کے مذاق

پر منحصر ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو اُسے پسند ہو وہ دوسروں کی نظر میں بھی منتخب قرار پائے اس لئے میں اپنے مذاق کے مطابق منتخب اشعار کے نمونے پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتا، میرے نزدیک یہ تمام مجموعہ اخلاقیات و تہذیب انسانی کی ایک بولتی تصویر ہے، نظم برسات کی فضا، زمانہ، دوشیزۂ صحرائی، مرغزار، وغیرہ میں جن جذبات عالیہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ حقیقت میں شرما کا خاص حصہ ہے،

زمانہ کے حادثات پیہم نے لطف و محبت کی راہیں بند کر دی ہیں، بیچاری اُردو بھی اُن کے ہاتھوں کب محفوظ رہ سکتی تھی، مسلمانوں کی زبردستی زبان کہی جانے لگی، اس دور میں جبکہ خیالات اس قدر پستی پر ہوں میں برادرانِ وطن کی زبان سے اُردو اشعار سُنکر بیحد مسرور ہوتا ہوں، اور اس لئے کہ نسیم، سرشار، سرور، چکبست، تفتہ جیسے جلیل القدر اساتذہ کی یاد دل میں تازہ ہو جاتی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے احسانات سے ادب اُردو اب تک مالامال ہے، میں بلا خوفِ تردید کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اُردو وہ محبت کیش اور ہر دلعزیز زبان ہے جو دو دلوں کو ایک کرنے کی طاقت اپنے اندر رکھتی ہے، ہندی بھاکا فارسی اور عربی جیسی بہنوں کے ساتھ اس طرح مل جُل کر کسی اور طریقہ سے رہ سکتی ہو تو بتایئے، اُردو مسلمانوں کی نہیں بلکہ تمام ملک کی مشترکہ زبان ہے جس کی ترویج و عروج میں ہند و مسلمان دونوں بھائیوں کا ہاتھ یکساں کارفرما رہا ہے اور اب بھی شرما جیسی ہستیاں مشترکہ ذمہ داری کے اظہار کی بیّن مثالیں ہیں، ہماری جملہ ترقیوں کا انحصار ایک مشترکہ محاذ قائم کرنے پر ہے جس کے لئے اُردو ایک ستون کا کام دیتی ہے،

مناظر قدرت کی نقاشی اور سادہ الفاظ کے ساتھ اظہار خیالات شرما کا حصہ ہے، خداوند کریم اس میں ترقی مزید عنایت کرے اور زمانہ شرما کے ساتھ اس قدر بیوفا نہ ہو کہ جذبات فطرت کے اظہار کی اُسے مہلت نہ دے، میں نیرنگ فطرت کے حُسن قبول کا پہنچ دل سے

خواہشمند ہوں اور میری آرزو ہو کہ یہ مجموعہ نظم جس میں تہذیب و شائستگی کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہو اور جس میں اخلاقیات اور جذبات کی جیتی جاگتی تصویروں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا، داخل نصاب تعلیم کیا جائے، تاکہ شرما کے لئے کچھ قدر دانی ہونے کے علاوہ ہمارے نونہالان ملک بھی "تلی دوڑی چوہا بھاگا" کے بجائے بچپن ہی کے زمانہ سے اخلاقی تعلیمات سے بہرہ ور ہو سکیں،

بدر الدین احمد انور
رٹول ضلع میرٹھ

پنڈت اندر جیت صاحب شرما کا کلام

ہندوؤں کے عقیدہ میں اندر برسات و بارش کا دیوتا ہو، اور شاعروں کے عقیدہ میں بادل اور بارش شاعری کا دیوتا ہو پنڈت اندر جیت کا نام ظاہر کرتا ہو کہ انھوں نے شاعری کے دیوتا کو جیت لیا ہے،

وہ اگرچہ اُردو زبان کے کامل ہونے کا دعوٰی نہیں کرتے لیکن ان کی نظمیں اُردو رسائل میں دیکھنے کے بعد ظاہر ہوتا ہو کہ وہ اُردو شاعری کے باکمال شاعر ہونے کا دعوٰی کر سکتے ہیں،

میں نے ان کی صورت نہیں دیکھی مگر انھوں نے میرے دوست چودھری شیوناتھ سنگھ صاحب ساکن ماچھرہ ضلع میرٹھ کے ذریعہ مجھے قرآن مجید کا ہندی ترجمہ کرنے میں مدد دی تھی، اور میں نے ان کو اپنے اُردو ترجمہ کو ہندی لباس پہنانے میں بہت ہی کامیاب پایا تھا،

افسوس ہو کہ میں شاعر نہیں ہوں اور پنڈت جی کے کلام پر شاعرانہ واقفیت کی رائے نہیں لکھ سکتا لیکن زبان کے اعتبار سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی شاعری میں زبان کی کوئی خامی نہیں ہو بلکہ بعض محاورے تو اہل زبان کی طرح لکھ دیئے ہیں،

پنڈت اندر جیت ان ہندوستانیوں میں ہیں جو اپنی خدا داد قابلیت سے ملکی لٹریچر کو مکمل اور آراستہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور ان کی شاعری کا یہ مجموعہ اسی کوشش کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے،

حسن نظامی دہلوی

تقریظ

میری رائے میں مسٹر اندر جیت شرما کے کلام میں ایک خاص لطف ہے یعنی ان کا انداز نظم ایسا دلچسپ ہو کہ خاص اور عام دونوں مزہ اٹھاتے ہیں ان کے یہاں نہ سنسکرت کے غیر مانوس اور غیر مستعمل الفاظ کی بھرتی ہوتی ہے نہ فارسی عربی کے گوش نا آشنا لفظوں کی بھرمار اسی سبب سے سننے والے کو مزہ ملتا ہے دوسرا وصف یہ ہے کہ باوجود اس قدر سلیس گوئی کے شہرت نام و نمود کے طالب نہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ نہ کوئی ان کا تخلص ہے نہ خود تراشیدہ خطاب ہے، ہندو مسلم کی سُرخی سے ایک مختصر مسدس لکھا ہے جس میں ہندو مسلمان کے اتحاد پر اظہار خیال کیا ہے، اس کا ایک بند درج کیا جاتا ہے تاکہ ان کی ادائے نظم کا اور صفائی زبان کا حال معلوم ہو جائے،

مکیں ہیں وہ کہ ہیں رشکِ جناں کہ ایک مسکن میں — وہ طائر ہیں کہ جن کی عمر گذری اک نشیمن میں
وہ پتلے ہیں نہیں کچھ فرق جن کے رنگ وروغن میں — وہ گُل ہیں جن کی بُو پھیلی ہوئی ہر ایک گلشن میں
مگر افسوس ناواقف ہیں اب تک رازِ فطرت سے
اٹھانا فائدہ سیکھا نہیں کچھ درسِ عبرت سے

خواجہ عبدالرؤف عشرت
احاطۂ خانساماں لکھنؤ

نیرنگ فطرت

"نیرنگ فطرت" شرما کی ادبی، اخلاقی، اور نیچرل نظموں کا مجموعہ ہے، میں نے اس کو اوّل سے آخر تک دیکھا اس مجموعہ میں اکثر وہ نظمیں ہیں، جو طرز جدید کے ذیل میں آتی ہیں،

غزلیں تعداد میں کم ہیں لیکن بہت خوب ہیں، شاعرانہ پہلو سے شرما صاحب کے اشعار قابل داد ہیں، تمام نظمیں نصیحت آمیز، پاکیزہ خیالات، اور قومی جذبہ سے مملو ہیں، زبان نہایت سادہ اور بامحاورہ ہے جس سے ہر فرد بشر استفادہ حاصل کر سکتا ہے جس واقعہ یا منظر کا بیان کیا ہے فوٹو کھینچ دیا ہے، دل چسپ اور مؤثر نتیجہ نکالنے میں آپ کو خاص ملکہ ہے،

اخباری دنیا کے لئے آپ کا نام نیا نہیں ہے زمانہ، ہمایوں، چاند، کامیابی، ادبی دنیا، اور رہنمائے تعلیم وغیرہ وغیرہ سبھی ادبی رسالوں میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے، مجھے ڈاکٹر سعید احمد سعید صاحب بریلوی اڈیٹر رسالہ "کامیابی" دہلی کی رائے سے جو انھوں نے اپنے رسالہ ماہ جولائی ۱۹۳۰ء کے صفحہ ۳ پر ظاہر کی ہے قطعی اتفاق ہے وہ تحریر فرماتے ہیں "شرما صاحب آہستہ آہستہ اپنے لئے شعرائے ملک کی صف اوّلین میں جگہ نکال رہے ہیں، اور وہ دن بہت دور نہیں کہ عروس کامیابی آپ سے ہمکنار ہو گی"

درحقیقت یہ نوجوان شاعر اقلیم سخن میں بہت جلد امتیازی درجہ حاصل کرے گا ملک اور قوم کو ایسے شعرا کی سخت ضرورت ہے پبلک کا فرض ہے کہ اس ہونہار شاعر کی حوصلہ افزائی کرے اور اس کی کوشش کی داد دے،

دستخط بخط انگریزی
چودھری شیو ناتھ سنگھ صاحب پلیڈر
سابق چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ میرٹھ



ادم

نذرانۂ روح

عفو تقصیر کی امید کے ساتھ آیا ہے — تیری درگاہ میں اک بندۂ بے بس مجبور
نذر کرنے کے لئے لخت جگر لایا ہے — ارمغاں روح کا کر لے مرے مرشد منظور

(۲)

دل میں ہے اک نگہ لطف کی حسرت باقی — رخ انور کی ضیا سے ہو یہ سینہ معمور
جام وحدت کا مجھے بھی ہو عطا اے ساقی — دل کے پردہ سے ہو تاریکیٔ غفلت کافور

(۳)

پانی ہو کے بہے ذوق شہادت میں جگر — لطف امرت کا دکھا زہر ہلاہل میں مجھے
وہ تصور ہو عطا چشم بصیرت کو مگر — نقش باطل نظر آئے نہ کوئی دل میں مجھے

(۴)

نگہ شوق میں ہر ذرہ ہو رشک خورشید — جزو میں کل کا تماشا نظر آئے مجھ کو
کامیابی کی ہو تمہید مری ہر امید — یعنی ہر قطرہ میں دریا نظر آئے مجھ کو

۲۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء

قوس قزح

اے قوس تیرے دلکش ہونے میں کیا گماں ہے — تو پر تو جمال خلاق دو جہاں ہے
وہ چاند کو فلک پر کس دن ہوئی میسر — جو تیری آبرو ہے جو تیری عز و شاں ہے
اللہ رے زیب و زینت یہ شانِ دلربائی — معلوم ہے مجھے بھی ہاں جس کی تو کماں ہے

ہیں تابناک لہریں تیری اسی کی جویا
جو رہ گئی ہیں بنکر تارِ نظر سراپا

خورشید کی ضیا نے پیدا تجھے کیا ہے — پانی نے آسماں پر جادو سا کر دیا ہے
خلوت میں جب نہاں تھی جز سایہ کچھ نہیں تھا — جب آئی انجمن میں پُر نور پُر ضیا ہے
تو جس کی زلفِ زرّیں بنکر چمک رہی ہے — تو جس کی خوبصورت پھیلی ہوئی قبا ہے

جس نے قدِ خمیدہ تجھ کو عطا کیا ہے
بندہ ہوں میں اسی کا میرا وہی خدا ہے

مارچ ۱۹۲۷ء

موسمِ بہار کا آخری پھول

اے گلِ رعنا تجھے کس زندگی پر ناز ہے
بے محل کیسا تبسم ہے یہ کیا انداز ہے؟

چار دن کی یہ ہوا ہے چار دن کا جوش ہے
کام لے تو گوشِ شنوا سے اگر ذی ہوش ہے

چل بسا تیرے محبانِ وطن کا کارواں
وہ حسینانِ چمن سب ہو گئے نذرِ خزاں

پتیاں ہو کر پریشاں اڑ رہی ہیں خاک پر
چوٹ نظارہ سے لگتی ہے دلِ غمناک پر

مسکرانا اے گلِ خنداں ترا اچھا نہیں
تیرا ہنسنا اب مرے دل کو پسند آتا نہیں

پھینک دوں میں توڑ کر اب کیوں نہ تجھ کو بھی وہاں
ہیں جہاں موجود تیرے ساتھیوں کی پتیاں

زندگی کا لطف یارانِ وطن کے ساتھ ہے
غم کی لذت غمگسارانِ وطن کے ساتھ ہے

اپریل ۱۹۳۸ء

۵

کوہِ ہمالہ

نام روشن ہے زمانہ میں ہمالہ تیرا — صفحۂ دہر ہے ممنون تجلّے تیرا
مرتبہ اوجِ ثریّا سے ہے اعلیٰ تیرا — بول جنّت سے ہے بڑھ کر کہیں بالا تیرا

آپ ہی رکھتا ہے تو زیرِ فلک اپنا جواب
جلوۂ حُسن کی اُلٹی ہے مصوّر نے نقاب

ندّیاں کھیلتی پھرتی ہیں ترے دامن میں — باغِ فردوس کا نظارہ ہے گویا بن میں
ہے کہاں دورِ خزاں تازگیٔ مسکن میں — گل کھلاتی ہے صبا آکے ترے گلشن میں

ہے اُدھر برف کی دستارِ فضیلت سر پر
فرش کے واسطے موجود اِدھر سبزۂ تر

ہے جوانانِ چمن کا ترے جوبن پہ شباب — جس قدر پھول کھلے تیرے بنے جامِ شراب
ذوق میں قرص کے ہو جبیں بھی سجاتی ہیں سحاب — ساغرِ مے کی طرح دور میں رہتے ہیں حباب

خور شعاعوں سے اگر تیری بلا لیتا ہے
آسماں چادرِ مہتاب اُڑھا دیتا ہے

مادرِ گیتی کی آنکھوں کا تو ہی تارہ ہے　　تیری جو جوالا ہے وہ نور کا فوارہ ہے
تو ہی انسان کی تہذیب کا گہوارہ ہے　　ہندوالوں کا فقط تو ہی تو نستارہ ہے

ہیں نہاں دہر کے اسرار ترے سینے میں
راز قدرت کے ہیں مضمر ترے گنجینے میں

تیرے نظارہ سے ہے روح کو فرحت حاصل　　لطف آتا ہے کہ ملتا ہے کوئی دل سے دل
برکتوں سے تری ہو جاتے ہیں انساں کامل　　کچھ عجب رکھتی ہے تاثیر تری آب و گل

سنگریزوں میں ہے مستور پیام الہام
تیرا ہر قطرہ ہے آئینۂ ستیا انجام

آبشاروں کی ہے شورش میں نرالا انداز　　گونج جاتی ہے فضا میں جو وہ دلکش آواز
جنّتِ گوش ہی بجاتے ہیں سب نغمہ و ساز　　دل میں انسان کے ہو جاتا ہے وہ سوز و گداز

رنج ہستی کا فراموش ہوا جاتا ہے
ابر رحمت کا ہم آغوش ہوا جاتا ہے

چاندنی رات میں ہوتا ہے عجب جوشِ بہار　　ساغرِ ماہ جو ہوتا ہے چھلک کر ضو بار

ے

ہُو کا عالم بھی تو اس درجہ ہے پُر کیف و خمار — جھوم ہی جاتے ہیں سب بے پیے مستانہ وار

منظرِ ہستی کا اک اور سماں ہوتا ہے

نقشۂ روزِ ازل بن میں عیاں ہوتا ہے

پتّہ پتّہ ہے کہ بن جاتا ہے تصویرِ جمال — قطرہ قطرہ پہ ہوا کرتا ہے مستی کا خیال

ذرّہ ذرّہ ہے کہ خورشید کی رکھتا ہے مثال — قلبِ خستہ میں بھی رہتی ہے تمنّائے وصال

آرزو اپنی ہو پوری خلشِ غم نکلے

تیرے ہی پہلو میں نکلے جو مرا دم نکلے

مئی سنہ ۱۹۲۸ء

باغِ نو

کہتا ہے باغباں تو اپنا جسے گلستاں
میری نظر میں ہے وہ پرخار اک بیاباں

بادِ نفاق تیرے گلشن میں چل رہی ہے
ہر برگ ہے پریشاں ہر گل ہے چاک داماں

مانا کہ رشکِ جنت پھولوں کا یہ وطن تھا
دورِ خزاں سے لیکن اب ہو رہا ہے ویراں

برباد ہو رہا ہے پامال ہو رہا ہے
اُجڑا ہوا پڑا ہے بے حال ہو رہا ہے

آ پھر اسی زمیں پر اک باغ نو لگائیں
اُجڑے ہوئے چمن کو فردوس کر دکھائیں

ارمان و آرزو کے پودے لگائیں اس میں
جن میں وفا کی بُو ہو وہ پھول پھر کھلائیں

اُلفت یگانگت کے باغوں سے لا کے قلمیں
دستِ خلوص سے ہم اُن پودوں پر چڑھائیں

سیراب ان کو کرنا مدِ نظر ہو جس وقت
حُبِ وطن کی گنگا مِل مِل کے ہم بہائیں

لیکن تو اپنے دل میں یہ بھی خیال رکھنا
بیلیں جو پھوٹ کی ہیں ہرگز نہ اُگنے پائیں

پھر دیکھنا کھلیں گے کیا کیا دلوں کے غنچے
گلہائے آرزو کچھ رنگ اور ہی دکھائیں

پھرتی ہیں بلبلیں جو بچھڑی ہوئی پریشاں
پھر آئیں اس چمن میں خوش ہو کے چہچہائیں
سب میکشانِ الفت صحنِ چمن میں آکر
ہو ہو کے مست نغمے حبِّ وطن کے گائیں
"ہندوستاں ہمارا ہندوستاں ہمارا"
چاروں طرف فضا میں گونجیں یہی صدائیں

ہم خدمتِ وطن میں تن من نثار کر دیں
یہ نخلِ آرزو بھی پھولیں پھلیں ثمر دیں

جون سنہ ۱۹۲۷ء

دوشیزۂ صحرائی

تو ہے سراپا نازنیں فطرت کی اک جلوہ گری
قیدِ تکلّف سے بَری
دُنیائے غم سے بے خبر آزاد جنگل کی پَری

(۲)

کُٹیا کی زیبائش ہے تو اے زینتِ دشتِ کہن
رنگینیٔ بزمِ سخن
نورِ سحر پر ہے ترے قربان فلک کی انجمن

(۳)

گاتی ہے جب نغمے کبھی کھیتوں میں اپنے بیٹھ کر
مستی میں ہو کر بے خبر
اُڑتی ہیں وہ تانیں تری موجِ ہوا کے ساز پر

(۴)

اپنے وطن سے دُور ہے جنّت کی شہزادی ہے تو

تصویرِ بربادی ہے تو
آغوشِ فطرت میں مگر صحرا کی آبادی ہے تو

(۵)

گدڑی میں لعلِ بے بہا غیرت وہ شمس و قمر
پتّوں میں گل ہے جلوہ گر
شبنم ترے نظّارے سے ہے آبدیدہ سربسر

(۶)

تو انتہائے حُسن ہے اور عشق کا آغاز ہے
کیا ناز ہے انداز ہے
تو طائرِ تخئیل کا گویا پرِ پرواز ہے

(۷)

گاگر لئے چلنا ترا اُف! کیا قیامت خیز ہے
آفت ہے دردانگیز ہے

چلتے ہوئے رُکنا بھی یہ   کچھ مصلحت آمیز ہے

(۸)

بھونرے کا وقف کرنا تجھے   رہ رہ کے شرمانا ترا
ٹھوکر سے گر جانا ترا
گاگر کا گر کر ٹوٹنا   پھر اس پہ گھبرانا ترا

(۹)

غصّہ میں بھر جانا ترا   ہمجولیوں کو چھوڑنا
کنگن کنول کا توڑنا
پھولوں کی مالا پھینکنا   گاگر کے ٹکڑے جوڑنا

(۱۰)

ٹکڑے یہ جڑنے کے نہیں   طاقت کوئی وہ اور تھی
جس سے تری گاگر بنی
ٹکڑوں میں جس سے تھی کشش   شکتی وہ زائل ہوگئی

(۱۱)

ہستی کا یہ انجام ہے ہر شے کی ہے یہ کائنات
ہے نام فانی کا حیات
پائندہ دیکھا دنیا نہیں انسان کو خواب ثبات

(۱۲)

جو پھول کہ اب ہے تازہ تر کل دیکھنا اس کا مآل
ہوگا خزاں سے پائمال
کوئی کمال ایسا نہیں جس کو نہ ہو آخر زوال

(۱۳)

ٹکڑے ہوں تیرے جسم کے اک دن یونہی اے نازنیں
ہاں ہاں دلاتا ہوں یقیں
یہ قدر تیری کا گر نہ ری جوڑے سے جھڑنے کی نہیں

نومبر ۱۹۲۹ء

اِنسان

ہستی سے اپنی بیٹھا ہوں میں ہو کے بے خبر
دھوکا سا دے رہی ہے یہ کوتاہ بیں نظر
ہے طائرِ خیال کی پرواز عرش پر
پھر اس کے ساتھ گرنے کا بھی دل میں ہے خطر

ہے بادۂ الست کا سر میں مرے خمار
حُسنِ ازل کے جلوے ہیں سینے میں بے قرار

پہلو میں میرے کیا دلِ حسرت نشاں ہے یہ
"شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے یہ"
حُسنِ ازل کے نور کا چشمہ رواں ہے یہ
یا سرِّ کُن فکاں کا کوئی رازداں ہے یہ

تیشہ یہ کوہکن کا ہے یا دل کھُلا ہوا
پیشِ نظر ہے قیس کے محمل کھُلا ہوا

دورِ فلک ہے گردشِ پرکار کی مثال
ہے داستاں جہان کی اک خوابِ یا خیال
ماہِ تمام کا مجھے بھاتا نہیں کمال
میرے فروغِ حُسن کی دُنیا ہے لازوال

میرے ہی سامنے رُخِ خورشید زرد ہے
لب پر فلک کے شام و سحر آہِ سرد ہے

جلوہ ہے میرا ادھر کو حیراں کئے ہوئے
نظارہ ہے بتوں کو پریشاں کئے ہوئے
گلشن میں گل کا چاک گریباں کئے ہوئے
اور عندلیب زار کو نالاں کئے ہوئے

تصویرِ انتشار ہے گویا مرا وجود
بچوں کا کھیل ہے یہ تماشائے ہست و بود

دُنیا میں حسن و عشق کی میں بارگاہ ہوں
منزل فنا و فقر کی اُلفت کی راہ ہوں
ہوں شمع یا پتنگ کی خاکِ سیاہ ہوں
شوریدہ سر ہوں اور رجالِ تباہ ہوں

دھندلا سا عکس ہوں میں کسی کے جمال کا
پُتلا بنا ہوں آپ ہی اپنے خیال کا

باغِ حیات میں مرے دورِ خزاں نہیں
ہستی بے ثبات کا نام و نشاں نہیں
منّتِ کشِ فنا مری روحِ رواں نہیں
وہ گُل ہوں جس کا خار بھی دامن کشاں نہیں

کیا مُشتِ خاک کے لئے بادِ فنا کا ڈر
مل جائیں گے وہ ذرّے جو ہوں گے ادھر اُدھر

خالی کوئی جگہ نہیں میرے وجود سے
کون و مکاں کے نقشے ہیں اپنے کھینچے ہوئے

بس کی ضیا سے جو شعلہ بھڑک گئے رازِ نہفتہ پر نہیں پردے حجاب کے

ہستی مری نہاں نہیں دنیائے راز میں

یہ زمزمہ ہے میرا ہی فطرت کے ساز میں

دسمبر ۱۹۲۹ء

گنگا

کوہِ ہمالیہ ہے گنگا ترا نشیمن　　پھیلا ہوا ہے اس کی گودی میں تیرا دامن
دنیا میں تو رواں ہے جنت میں تو رواں ہو　　تیرا زمیں پہ جوبن ہے آسماں پہ جوبن
قدرت نے آبِ شیریں تجھ کو عطا کیا ہے　　شاداب جس کے دم سے بھارت کا ہے یہ گلشن

کہتی ہے ساری دنیا کہتا ہے سارا عالم
پانی ترا نہیں ہے آبِ حیات سے کم

تقدیر سے میسر جس کو تری فضا ہے　　تیرا ہی دامن اس کو آغوشِ دلکشا ہے
کٹیا بنا کے جوگی بیٹھا ترے کنارے　　حسنِ ازل کا جلوہ موجوں میں دیکھتا ہے
آبِ رواں سے ایسی لو اس کی لگ رہی ہے　　گویا کہ محو ہو کر تصویر بن گیا ہے

اک جامِ وصل تیرا مل جائے وقتِ آخر
یہ زندگی سپھل ہو مرنے کا ہے مزا پھر

۱۹۲۷ء

چاندنی رات

رنی چھٹکی ہوئی طرفہ سماں ہے رات کا
ہے سراپا نور ذرّہ ذرّہ موجودات کا

حُسنِ ازل کی آسماں تصویر ہے
جس ستارہ پر نظر ڈالو وہ پُر تنویر ہے

کس شان پر ہے زینتِ صحنِ چمن
ڈھل گئے ہیں نور کے سانچے میں سرو و یاسمن

کے پھول کا عالم ہی اب کچھ اور ہے
شان اگر اس کی نرالی ہے تو دلکش طور ہے

پرتوِ مہتاب سے آئینہ ہے
بند مٹھی میں ہر اک غنچہ کے اک گنجینہ ہے

آنکھوں میں اُتر آیا ہے عالم نور کا
ذرّہ ذرّہ سے عیاں ہوتا ہے جلوہ طور کا

یاالٰہی مٹ گیا دُنیا سے ظلمت کا نشاں
فیض سے تیرے مُنوّر ہیں زمین و آسماں

۱۹۲۷ء

۱۹

گُلِ خنداں

رونقِ باغِ جہاں اے گُلِ خنداں تو ہے — زینتِ صحنِ چمن زیبِ گلستاں تو ہے
گرمیٔ بزمِ سخن کا سر و ساماں تو ہے — بلبلِ خستہ جگر کے لئے درماں تو ہے

دل حسینوں کے چُراتی ہے تیری رنگینی
پردے پردے میں کیا کرتا ہے تو گُل چینی

تیری طینت میں ازل سے ہی وفا کوشی ہے — تجھ کو محبوب کب احسان فراموشی ہے
چاک سینہ ہے تیرا عالمِ بیہوشی ہے — صد زباں ہو کے بھی لب پر ترے خاموشی ہے

بھید کھلتا نہیں کچھ اے گُلِ خنداں تیرا
تو پریشاں ہے کہ ہے حال پریشاں تیرا

جلوۂ حسنِ ازل کی کوئی تصویر ہے تو — زخمِ پنہاں کے لئے مرہمِ تدبیر ہے تو
مصحفِ دل ہے کہ اس کی کوئی تفسیر ہے تو — خوابِ غفلت کی سمجھتا ہوں کہ تعبیر ہے تو

دور گلچیں سے رہے شاخ سے ٹوٹے نہ کبھی
ساغرِ عیش تیرے ہاتھ سے چھوٹے نہ کبھی

سنہ ۱۹۲۸ء

سچا کسان

س لطف کی گزر رہی ہے ماں باپ کی زمیں پر — ہیں خاک کی بدولت سو نعمتیں میسر
جت مجھے نہیں ہے محلوں میں دن گزاروں — محدود خواہشیں ہیں چھوٹا سا ہے مرا گھر
ے کو روز گائیں دیتی ہیں دودھ میٹھا — کھیتوں سے مل رہا ہے غلہ مجھے برابر

دن کاٹتا ہوں اپنے آرام سے خوشی سے
رہتا ہوں دور کوسوں لالچ کی زندگی سے

ا ہوں شام کو جب کھیتوں سے اپنے گھر میں — پھولا نہیں سماتا بچوں کو دیکھ کر میں
ر وکھی سوکھی روٹی کھاتا ہوں مزے کا — پھر نیند کی بہاریں لیتا ہوں رات بھر میں
ہ نشاں کی حسرت دل میں مرے نہیں ہے — دنیا کی آرزو سے مطلق ہوں بے خبر میں

یہ آرزو ہے میری تا ہو گماں نہ میرا
میری لحد پہ رکھے کوئی نشاں نہ میرا

۱۹۲۵ء

ہمارا وطن

ہمیں ہے بہشت نظر اے وطن تو   مسرت کا راحت کا گھر اے وطن تو
ہر اک دکھ کا ہے چارہ گر اے وطن تو   ہے تسکین قلب و جگر اے وطن تو

تو پیارا وطن ہے ہمارا وطن ہے

ہمالہ سا پربت نگہبان تیرا   یہ عزت ہے تیری یہ ہے مان تیرا
ہمیں کیوں نہ ہر وقت ہو دھیان تیرا   کیا تو نے پیدا یہ احسان تیرا

تو پیارا وطن ہے ہمارا وطن ہے

ہیں میٹھے پانی کے چشمے ابل کر   تیرے جنگلوں میں تری سرزمیں پر
کیا خشک کھیتوں کو سیراب اور تر   چمن کے دکھائے بیاباں میں منظر

تو پیارا وطن ہے ہمارا وطن ہے

رہا بن کے گہوارہ ارباب فن کا   بنا علم والوں کا ملجا و ماویٰ
ترے ہنر و دانش کا جب نور پھیلا   تجھے ساری دنیا نے استاد مانا

تو پیارا وطن ہے ہمارا وطن ہے

مُقر تیری عظمت کے سب بے گماں ہیں　　اثر شان و شوکت کے تجھ سے عیاں ہیں
تقدّس کے تیری جبیں پر نشاں ہیں　　تری خاک میں لعل اپنے نہاں ہیں

تو پیارا وطن ہے ہمارا وطن ہے

ہمارے دلوں میں ہو تیری محبّت　　سروں میں ہو تیرا ہی سودائے اُلفت
دل و جان سے تیری کریں مِل کے خدمت　　لُٹائیں ترے نام پر مال و دولت

تو پیارا وطن ہے ہمارا وطن ہے

۱۹۲۷ء

بچّے کی آرزو

دل میں حسرت ہے کہ تصویرِ وفا بن جاؤں
کاش میں حُسنِ مُحبّت کی ضیا بن جاؤں

دل میں ہمدردیِ انسان کا ہو جذبہ پیدا
بھولے بھٹکوں کے لئے راہ نما بن جاؤں

بھوک میں پیاس میں امداد کروں غیروں کی
اور مریضوں کے لئے نقشِ شفا بن جاؤں

دامن آلودہ نہ ہو بادۂ نخوت سے مرا
بھولی بھالی کسی صورت کی ادا بن جاؤں

مذہب ایثار رہو ایماں مرا قربانی ہو
خاک میں مل کے ہی میں قبلہ نما بن جاؤں

جنوری ۳۰ء

دردِ عشق

سر پر مرے سماں تو ہے ظلمت کی رات کا
ہے تیرا خواب میرے سکوتِ رباب میں
اے دردِ عشق ہاں مرے پہلو میں تو تڑپ
شعلہ بھڑک کے آگ لگا دے حجاب میں

(۲)

منظورِ پاسبانی ستاروں کو ہے تری
ہر وقت تیرا گھڑیوں کو رہتا ہے انتظار
موجیں ہوا کی سو گئیں بحرِ سکوت میں
دل پر گزر رہا ہے مرے خامشی کا بار

(۳)

اے سحرِ عشق جاگ ذرا ہوشیار ہو
ساغر کو میرے بھر دے کچھ ایسی شراب سے
تارِ نفس کے ساز میں پیدا ہو وہ سرود
بیدار کر دے رات کو غفلت کے خواب سے

جنوری سنہ ۳۰ء

آفتاب

بادِ سحر نے جس گھڑی اُلٹی نقاب روئے صبح
جلوہ ترا ظاہر ہوا اے شاہدِ دلجوئے صبح
لیکن میں اس کو کیا کروں
نظّارہ کی طاقت نہیں

تیری شعاعِ زرفشاں بن بن کے یوں تارِ نظر
شاید تلاشِ یار میں پڑتی ہے فرشِ خاک پر
یہ خاکساری، عاجزی
ہے مایۂ فخرِ زمیں

آرام قسمت میں نہیں فرقت میں ہے بیتاب تو
ہے سوزِ غم سے مضطرب جوں ماہیٔ بے آب تو
دل ہے ترا غمناک دل
جان ہے تری جانِ حزیں

تو معدنِ انوار ہے   پیکر ہے نورِ عشق کا
تو حُسن سے دوچار ہے   شعلہ ہے طورِ عشق کا
دیکھوں میں تجھ کو کس طرح
جب تابِ نظّارہ نہیں

مارچ ۱۹۲۵ء

اے مری پیاری کتاب

تو سکون زیست کا سامان ہے — آرزو اس دل کی ہے ارمان ہے
آدمی تیرے سبب انسان ہے — باغ ہستی کے لئے ریحان ہے
اے مری پیاری کتاب

راز کیا اس خامشی میں ہے نہاں — دم بخود رہتی ہے تو تصویر ساں
یہ تری لوحِ سکوت اور یہ نشاں — باعثِ تسکینِ دل آرامِ جاں
اے مری پیاری کتاب

کنجِ عزلت میں ہے میری غمگسار — دردِ فرقت میں ہے میری غمگسار
رنجِ غربت میں ہے میری غمگسار — ہر مصیبت میں ہے میری غمگسار
اے مری پیاری کتاب

پڑ گیا جس قوم پر تیرا اثر — وہ رہی دنیا میں ہو کر نامور
نیرِ اقبال چمکا عرش پر — بن گئی سر تاج مالک تاجور
اے مری پیاری کتاب

دردمندوں کے لئے ہے تو دوا — بے بسوں کے واسطے ہے آسرا
جب ترے الطاف کا دریا بہا — سیر سارے تشنہ کاموں کو کیا

اے مری پیاری کتاب

مذہب و ملّت کی ہے تو رہنما — تجھ کو کہتے ہیں حقیقت آشنا
ہے امینِ سرِّ حق تو بر ملا — ہے ترا ہر حرف گویا معجزا

اے مری پیاری کتاب

سنہ ۱۹۲۵ء

صبح صادق

جاگو جاگو سونے والو — اُٹھو اُٹھو سونے والو
نور کا پردہ پڑا اُفق پر — چلے ستارے رخصت ہوکر
رنگِ رُخِ مہتاب ہے پھیکا — آنکھوں میں ہے نور کا جلوہ
پتّہ پتّہ یادِ خدا میں — ذرّہ ذرّہ محو ضیا میں
ذکر خدا ہے ہر لب پر — پاتا ہے تسکین قلبِ مضطر
سجدے میں ہر شاخ جھکی ہے — حمد میں کوئل بول رہی ہے
غنچے چٹک رہے ہیں کیسے — طائر چہک رہے ہیں کیسے
شبنم کے موتی سے پڑے ہیں — پتّوں پر ہیرے سے جڑے ہیں
مسجد میں ہے بانگ اذاں کی — مندر میں بجتی ہے گھنٹی
شیخ و برہمن جو ہے مگن ہے — جلوۂ حق سے سب کی لگن ہے

ہے پُر کیف سحر کا منظر
وجد ہے طاری رُوحِ بشر پر

۱۹۲۸ء

ستارہ

چمکتی ہے بجلی سی تیری ضیا میں
لپکتا ہے شعلہ سا موج صبا میں
نہاں پرتوِ مہر کی تو قبا میں
عیاں تیرا جلوہ فلک کی فضا میں
کیا مجھ کو نظارہ نے تیرے حیراں
میں بیٹھا ہوں دنیا سے ہو کر پریشاں

لرزنا ترا کر رہا ہے اشارہ
کہ عاشق کی تو آہ کا ہے شرارہ
سرِ عرش چمکا جو بنکر ستارہ
نظر آگیا نور کا ایک پارہ
گزرتی ہے تیری شبِ غم تڑپ کر
ہیں صدمے یہ اف! کیسے ننھی سی جاں پہ

جو خورشید کا پردۂ رخ اٹھے گا
تو افشا ترا راز ہو کر رہے گا
فریبِ نمود و نمائش کھلے گا
ترے حسن کا پھر نہ جادو چلے گا
اماں دامنِ صبح میں ہے کہاں پھر
کہاں روشنی تو کہاں ضوفشاں پھر

ہے انجام اِک دن یہی تیرا انساں — تو بھولا ہے کس زندگانی پہ ناداں
کہیں رُوح ہوگی کہیں اس کا ساماں — اُمیدوں کا شیرازہ ہوگا پریشاں

جو کرنا ہے اے مردِ میداں کئے جا
نہ مرہونِ منّت ہو احساں کئے جا

۱۹۲۷ء

قلبِ مضطر

اے مرے قلبِ حزیں تو پیکرِ تنویر ہے
جلوہ گاہِ نازِ حُسن و عشق کی تصویر ہے

آشکارا ہو گئی ناداں تری وارفتگی
تیرے پہلو میں بجا کرتا ہے سازِ بیخودی

دیوتا خود ہے مگر اس پر بھی بیچارہ ہے تو
جادۂ تاریک میں گُمراہ سیّارہ ہے تو

رات کو آراستہ ہوتی ہے جب بزمِ فلک
پردۂ ظلمت سے آتی ہے ستاروں کی جھلک

عشق کا شعلہ جو ہوتا ہے بھڑک کر جلوہ زا
موجزن سینے میں ہوجاتا ہے دریا نور کا

چُپکے چُپکے عشق کی لڑیاں پرو لیتا ہے تو
ہارِ اُلفت کا بنا لیتا ہے اِک بہرِ گلو

پردہ دارِ عشق ہوکر ہوگیا رسوائے حُسن
بن کے مجنوں کس لیے پھرتا ہے اے لیلائے حُسن

۱۹۲۸ء

سراب

فطرت کا راز دار ہوں خانہ خراب ہوں — ہوں تشنۂ سحر کا میں بظاہر حباب ہوں
منظرِ نظر فریب ہوں ہو کا ہوں خواب ہوں — کیا ہوں؟ غبارِ دامنِ صحرا سراب ہوں

پانی سا ہے پھرا ہوا میری امید پہ
نظریں ہیں بے قرار عبث میری دید پہ

ہے آبشار کوئی نہ چشمہ رواں مرا — کھلتا ہے باب فیض نہ ابرِ بہار کا
اٹکھیلیاں یہاں کبھی کرتی نہیں صبا — مرغانِ خوشنوا کی بھی آتی نہیں صدا

تخئیل کا فریب ہوں وہم و گماں ہوں میں
میرا یہی نشاں ہے کہ اک بے نشاں ہوں میں

میرا وجود تو وہ ہے گرد و غبار کا — آماجگاہ رہتا ہے برق و شرار کا
ہو کا سماں ہے نقشہ ہے اجڑے دیار کا — اڑتا ہے رنگ طائرِ ہوش و قرار کا

مطلب یہاں مرا ہے یہ اس قیل و قال سے
نظریں بچی رہیں مری لہروں کے جال سے

سنہ ۱۹۳۰ء

مرغزار

رُخ سے حسینۂ شام   برقع اُٹھا رہی تھی
رنگین جوڑا پہنے   دل کو لُبھا رہی تھی
اُف! ناز سے ادا سے   جادو جگا رہی تھی
یعنی دلِ جہاں پر   بجلی گرا رہی تھی
تھا دلفریب منظر
پیشِ نظر فلک پر

(۲)

بادل گھرا ہوا تھا   پانی ٹپک رہا تھا
مغرب میں مہرِ تاباں   کچھ کچھ چمک رہا تھا
دن کی جو زندگی کا   ساغر چھلک رہا تھا
دُنیائے آرزو کو   حسرت سے تک رہا تھا
نظّارہ روح فرسا
یہ آسمان پر تھا

(۱۳)

تھوڑے سے فاصلہ پر　　اک مرغزار بھی تھا
پیشِ نظر خزاں کے　　رنگِ بہار بھی تھا
بیتابیٔ نظر میں　　صبر و قرار بھی تھا
غم تھا مگر خوشی کا　　آئینہ دار بھی تھا

چشمِ بشر تھی حیراں
ضدین سے پریشاں

(۱۴)

وہ مرغزار جس کو　　کچھ بیل چر گئے تھے
گھوڑے گدھے سموں سے　　پامال کر گئے تھے
مرگیں سے جانور سب　　جس گھر کو بھر گئے تھے
جس کے تمام تنکے　　جل بھن کے مر گئے تھے

نام و نشاں نہیں تھا
جس میں کہیں جڑوں کا

(۵)

ہُو کا سماں جہاں میں جو ہو گیا تھا یکسر
وحشت کا ہر طرف سے جو بن گیا تھا منظر
بربادیوں سے جس کی حالت ہوئی تھی ابتر
اِک داغ بدنما تھا جو دامن زمیں پر

جس کے مٹے ہوئے تھے
سب نقش زندگی پر

(۶)

قدرت نے دی اسی کو اب شانِ دلربائی
سبزہ نے پھر اسی کے صورت نئی دکھائی
جلوہ کی اب اُسی کے خلقت ہوئی فدائی
نظّارہ سے اُسی کے تسکین دلوں نے پائی

وہ وحشتِ بے حقیقت
پھر بن گیا ہے جنّت

(۷)

ذرّوں کو پھر خدا نے یہ زندگی عطا کی
تصویر سامنے ہے سب کے فنا بقا کی
جو آج پس رہا ہے دُنیا میں جسم خاکی
پھر اس پہ مہربانی ہو گی کبھی خُدا کی
جو خاک ہو گیا ہے
رُتبہ اُسے ملا ہے

(۸)

دَورِ زماں نے چھوڑا جس قوم کو کچل کر
نام و نشاں نہ رکھا جس کا کہیں زمیں پر
اُٹھی وہی زمیں سے بن کر جہاں میں گوہر
قسمت کا پھر اسی کی چمکا فلک پہ اختر
قدرت کا یہ کرشمہ
دھوکا ہے یا تماشہ

جنوری سنہ ۳۴ء

چاند اور چکور

اے قمر تو بزمِ شب کی ایک روشن شمع ہے — بخشتا ہے روشنی عالم کو ہو کر جلوہ گر
مضطرب تیری جدائی میں رہی دن بھر چکور — ہو گئی بیہوش سی روئے منور دیکھ کر
پھر قیامت آ گئی بادل کا ٹکڑا آ گیا — چھپ گیا تو اور ترستی رہ گئی اس کی نظر
یہ تغافل اور پھر اس محوِ نظارہ کے ساتھ — پھونکے دیتا ہے اسے سوزِ دروں دردِ جگر

طالبِ نظارہ سے زیبا نہیں تجھ کو حجاب
کس لئے ڈالی ہے تو نے روئے روشن پر نقاب

رنگِ محفل پھر جما آ کر اسی انداز سے — جلد پردے سے نکل اس نیم جاں کی لے خبر
دلفریبی چاندنی کی پھر جمائے اپنا رنگ — سحر بن کر پھر کرے تیری کرن دل پہ اثر
پھر تبسم ہو وہی پھر ہوں وہی اٹکھیلیاں — پھر نگاہیں لوٹ ہوں تیرے خرامِ ناز پر
ہو شگفتہ پھر وہ مرجھائی ہوئی دل کی کلی — پھر ترے پرتو سے ہو نخلِ تمنا بارور

دیر کیوں اتنی لگائی فیض کا در کھول دے
ناز سے دل کی گرہ اے نازپرور کھول دے

سنہ ۱۹۳۶ء

ہماری محفل

ہیں اس کے دم سے الفت کے زمانے
ہیں اس کے دم سے بیگانے یگانے

نوید جانفزا یہ لیکے آئی
سنائے روح کو رنگیں ترانے

امیروں میں اسی کا تذکرہ ہے
فقیروں میں اسی کے ہیں فسانے

سکونِ قلب ہوگا اس سے حاصل
ہیں اس کے راز میں مضمر خزانے

اسے ہر قوم کا کہتے ہیں کعبہ
بڑے ہوں کیوں نہ اس کے آستانے

صداقت پر چلانا اس کا مسلک
ریا کے دور سب اس سے بہانے

وہ کشت آرزو بنکر پھلیں گے
جو اب بکھرے ہوئے ہیں چند دانے

نہ ہو کیوں بزم اپنی رشکِ جنّت
جواں ساقی ہے جام و خم پرانے

سنہ ۲۹ء

شاعر

تھی خلقت محوِ خواب سکوں   غفلت نے رنگ جمایا تھا
خاموش فضا تھی تاروں کی   اِک سنّاٹا سا چھایا تھا
پیڑوں کے پتّے خواب میں تھے
شبنم کے قطرے خواب میں تھے
صحرا کے ذرّے خواب میں تھے
ہستی کے نغمے خواب میں تھے
فطرت کے سارے ساز پڑے   اِک خاموشی کے عالم میں
کلیوں کی چٹک گلشن میں نہ تھی
پھولوں کی مہک گلشن میں نہ تھی
سبزہ کی لہک گلشن میں نہ تھی
چڑیوں کی چہک گلشن میں نہ تھی

خوابیدہ نظر آتے تھے سبھی　　غفلت کوشی کے عالم میں
خوابیدہ درندے تھے بن میں
سوتے تھے بشر ہر مسکن میں
طائر تھے خموش نشیمن میں
لہریں تھیں سکوت کے دامن میں
تھا خون بھی شریانوں میں جما　　اک بیہوشی کے عالم میں
در دیدہ شاعر فطرت کا
اس عالم میں وہ گھر سے چلا
صحرا کے دامن میں پہونچا
فطرت کے مناظر کو دیکھا
چپکے سے دامن اپنا بھرا　　خاموش فضا کے پھولوں سے
کچھ صحرا شبنم گلشن سے　　کچھ دریا سے کچھ سیاروں سے

۲۹ء

بچے کا خواب

آنکھیں لگی ہوئی ہیں کس در کی راہ میں
عالم سمایا کونسا تیری نگاہ میں
کچھ آگیا نظر تجھے خالِ سیاہ میں
یا محوِ خواب ہوگیا الفت کی چاہ میں
جنّت کی یا فضا کا ہے سر میں ترے سرور
دامن پسارے تجھ کو بلاتی ہے کوئی حور

دل کو پسند آئی کسی باغ کی بہار
یا لطف دے رہا ہے کوئی نخل سایہ دار
یا جنّت نگاہ بنا کوئی سبزہ زار
غنچہ کوئی ہوا ہے تبسّم پہ یا نثار
دنیائے غم سے دہر میں کوسوں ہی دور ہے
سر میں ترے نشاط کا جوش و فور ہے

گرداب میں قمر کے ہے شاید گھرا ہوا
رنگ شفق پہ یا تو کہیں مست ہوگیا
آنکھوں میں تیری جلوہ فلک کے ہے طور کا
خاموش کس لئے ہے ستاروں کے ہم نوا
معصومیت کا ہے ابھی دل میں ترے اثر
تو ہے اسی لئے غمِ فردا سے بے خبر

۱۹ء

تنکا

ایک دن میں کہیں کو جاتا تھا   زور بازو پہ کچھ اکڑتا ہوا
سامنے سے ہوا میں اک تنکا   آیا ایسا کہ آنکھ ہی میں گرا
حد سے میری بڑھی جو بے چینی   ہو گئی آنکھ لال دکھنے لگی
درد سے اس کے بلبلا اٹھا   تیر بن کر وہ آنکھ میں کھٹکا
ہوش میرے کہاں ٹھکانے تھے   ایک تنکے میں جاں کے لالے تھے
زور بازو تمام جاتا رہا   ایک تنکے سے حشر تھا برپا
نہ ہوئی کم کسی طرح وہ چمک   نکلا باہر نہ آنکھ سے جب تک

تب مرے دل میں یہ خیال آیا
دم میں تنکے کا بھی نہیں رکھتا

۲۹ء

زمانہ

گیتی کے فسانوں میں ہے میرا ہی فسانہ
ہر ساز سے میرا ہی نکلتا ہے ترانہ
ہر رنگ میں پاؤ گے مرا نقش یگانہ
ہے نام مرا وقت لقب میرا زمانہ

مطلب ہی نہیں مجھ کو یہاں آج سے کل سے
ہے یونہی مرا سکہ رواں روزِ ازل سے

مفلس کو بنایا کبھی شاہوں کو بگاڑا
اس گھر کو بسایا کبھی اس گھر کو اجاڑا
بزدل کو ابھارا کہیں رستم کو پچھاڑا
گیدڑ کو کیا شیر تو شیروں کو لتاڑا

اس دستِ عنایت میں کرامات یہی ہے
یعنی مری نیرنگیوں میں بات یہی ہے

آتا ہے فلک کو بھی مرے نام سے چکر
گردش میں زمیں ہا ہی نہیں دن رات برابر
چھایا ہے عجب رعب مرا شمس و قمر پر
خدمت سے مری ہو نہیں سکتے کبھی باہر

رہتی ہے حکومت مری ہر بحر میں بر میں
اڑتا ہے پھریرا مرا ہر خشک میں تر میں

ہنگامۂ ہستی میں ہے میرا ہی تلاطم — سیاروں کے جھرمٹ میں ہے میرا ہی تبسم
ہستی کو بھلا دیتا ہے میرا ہی ترنم — خاموش جہاں کو کرے میرا ہی تکلم

مدہوش مرے جام سے یکسر ہوئے انسان
گمراہ مری راہ میں آکر ہوئے نادان

پائے گا مرے بحر کا کوئی نہ کنارا — ملنے کا کسی کو نہیں اس گھر میں سہارا
نیرنگیوں کا یہ مری ہوتا ہے اشارا — کھاجائے نہ دھوکا کوئی انسان خدارا

کہتا ہوں یہ للکار کے ہے چال غضب کی
جو پھنس گیا اس میں یہ نکلنے نہیں دیتی

کچھ مجھ کو تعلق ہے فنا سے نہ بقا سے — اس دل میں کہاں خوف ہو پھر روزِ جزا سے
پوچھو تو حقیقت کو مری جاکے خدا سے — اک لاگ سی رہتی ہے مجھے قبلہ نما سے

کھلتا جو کسی پر نہیں وہ راز ہے میرا
انجام ہے میرا نہ کچھ آغاز ہے میرا

پامالِ خزاں میرا چمن زار نہیں ہے — یہ دورِ طرب گردشِ پرکار نہیں ہے
اس بزم میں غم کا کوئی اظہار نہیں ہے — یہ رنگِ سخن اور ہے بیکار نہیں ہے

ہے شیشۂ دل میں یہاں اک اور ہی عالم
ہوتا ہی نہیں جس کا کبھی جوشِ جنوں کم

ہے ذاتِ مقدس مری توحید کا جلوہ   ہستی بھی مری شاہدِ مطلق ہے سراپا
ل راز ہوں کونین کا میں بہرِ تماشا   فطرت کا کرشمہ بھی ہے میرا ہی کرشمہ

روشن ہیں سیہ خانے مری جلوہ گری سے
ہیں کعبہ و بت خانہ میں میرے ہی تماشے

الی جو نہ ہو مے سے وہ میخانہ ہے میرا   دُنیا کے لئے دُور ہیں پیمانہ ہے میرا
اشانۂ دل بھی تو جلوہ خانہ ہے میرا   دیوانہ خدا کا ہے جو دیوانہ ہے میرا

گنجینے ہیں قدرت کے نہاں سینے میں میرے
فطرت کے ہیں اسرار اس آئینے میں میرے

س نے مجھے ہر آن میں دل سے نہ بھلایا   جس نے مری درگاہ میں سر اپنا جھکایا
س نے کہ مری خاک کو آنکھوں سے لگایا   اُس نے ہی مری ذات سے کچھ فیض اُٹھایا

برگشتہ ہوا مجھ سے جو کھو کر اُسے چھوڑا
ساحل پہ سرِ شام ڈبو کر اُسے چھوڑا

پیارا بھارت

پیارا بھارت دیش ہمارا — دل کا اجالا آنکھ کا تارا
پربت ایک ہمالہ اس کا — دنیا کے کوہوں سے اونچا
گنگا جمنا جیسی ندی — ہر بن میں جن سے شادابی
پیدا ہوتے ہیں سب غلّے — جن کو کھاکر جیتے ہیں بندے
ہر شے ہے فراہم کثرت سے — محروم ہیں ہم کس نعمت سے
غنچے باغوں میں کھلتے ہیں — کھانے کو پھل بھی ملتے ہیں
ٹھنڈی سی چلتی ہیں وہ ہوائیں — پردیسی کے دل کو بھائیں
سب آرام دیئے ہیں ہم کو — ہم سے دور ہی رکھا غم کو

اس کی خاطر کام کریں ہم
اس کا روشن نام کریں ہم

۲۹ء

رُوح

اے طوطیٔ رنگیں سخن   کیوں ہے گرفتارِ قفس؟
ہستی ہے اِک دامِ بلا   کیسا ہے آزارِ قفس
ہو کر اسیرِ رنگ و بو   رہتی ہے بیمارِ قفس
پھرتی ہے تو وارفتہ سی   سر پر لئے بارِ قفس
اے طوطیٔ رنگیں سخن

(۲)

اے بلبلِ شیریں دہن   کیوں موردِ الزام ہے؟
یہ زندگی کا سلسلہ   قیدِ غم و آلام ہے
نقش و نگارِ دہر کا   نقشہ خیالِ خام ہے
تیرا وجودِ جاوداں   اِک وصل کا پیغام ہے
اے بلبلِ شیریں دہن

(۳)

اے عندلیب نغمہ زن ہے مائل پرواز تو
شیدائے آب و گل نہ ہو ہے حُسن کی آواز تو
انجام ہے تیرا کہاں رکھتی نہیں آغاز تو
نغماتِ دو عالم کا ہے موجِ نفس پہ ساز تو
اے عندلیب نغمہ زن

۲۸ء

۵۰

شیریں کلامی

قبضہ میں اپنے دُنیا رہتی ہے اس کے باعث
تلوار ہے تو یہ ہے شمشیر ہے تو یہ ہے

بگڑوں کو یہ بنا دے روتوں کو یہ ہنسا دے
تقدیر ہے تو یہ ہے تدبیر ہے تو یہ ہے

دل میں بشر کے باقی رہتی نہیں کدورت
اُلفت کے جذبہ کی بھی تصویر ہے تو یہ ہے

دُنیا کی ساری دولت ہوتی ہے اس سے حاصل
ہے کیمیا تو یہ ہے اکسیر ہے تو یہ ہے

عظمت کسی نے پائی وہ بھی اسی کے دم سے
ہے آبرو تو یہ ہے توقیر ہے تو یہ ہے

ہو جاتے ہیں جہاں میں دشمن بھی رام اس سے
اعجاز ہے تو یہ ہے تاثیر ہے تو یہ ہے

افسوں کوئی جہاں میں اس سے نہیں ہے بہتر
ہر معجزہ کی واضح تفسیر ہے تو یہ ہے

سنہ ۱۹۲۸ء

ہند

آتا ہے تو لبوں پہ مرے بار بار ہند! عبرت کا اک سبق ہے ترا حال زار ہند!
جاں مبتلائے رنج ہے دل بیقرار ہند! آنکھیں وفورِ غم سے ہیں خوننا بہ بار ہند!

اُٹھتی ہے دل میں ہوک سی آتا ہے جب خیال
ماضی ترا وہ کیا ہوا اور کیا ہوا یہ حال

ذرّوں میں آج تیرے غضب کا ہے انتشار اُٹھنے لگا زمیں سے قیامت کا اک غبار
چھانے لگا ہے چار سو آنکھوں میں اندھکار رخصت دلوں سے ہو گئے صبر و سکون قرار

قسمت میں تھا تری یہی انجام دیکھنا
دورِ سپہر و گردشِ ایام دیکھنا

وہ دن بھی تھے کہ غیرتِ خلد بریں تھا تو یعنی فلک سے بھی کہیں بالانشیں تھا تو
تھا مہر تابناک کہ ماہِ مبیں تھا تو آپ اپنا آسمان تھا اپنی زمیں تھا تو

رکھتے تھے پائے قدس پہ تیرے ملک جبیں
جپتے تھے تیرے نام کو اربابِ علم و دیں

جب حُسنِ بے مثال کا تیرے ہوا ظہور ظُلمت کدہ جہاں کا بنا رشکِ کوہِ طور
جاپان و چین کے قلب کو بخشا اگر سرور یونانیوں کی آنکھوں میں پھیلایا تو نے نور

لایا جہاں کے واسطے راحت کا تو پیام
روشن تر از سحر ہوئی دُنیا میں تیری شام

تو نے سکونِ قلب کا ایسا سبق دیا سب کھل گئے جہان پہ راز فنا بقا
عقدہ تھا کو لسا وہ جو تو نے نہ وا کیا حیرت زدہ تھی چشمِ جہاں سکتہ اس پہ تھا

تیرے ہمائے عقل کی پرواز تھی وہاں
پہونچا نہ تھا خیال فرشتوں کا بھی جہاں

کیسا تری فضاؤں میں تھا لطفِ زندگی جب تک تجھے ہوا نہ لگی تھی نفاق کی
فرداے غم کی دل پہ کوئی داستاں نہ تھی آتی نہ تھی لبوں پہ فغاں بھول کر کبھی

جامِ مئے نشاط کا تھا انجمن میں دور
بادِ بہار کا تھا ہمیشہ چمن میں دور

وہ پھول جاودانی

اِک پھول تھا شگفتہ گل تھا کہ یاسمن تھا
سرمایۂ چمن تھا
اور نازشِ وطن تھا

پھیلی ہوئی تھی اُس کی ہندوستاں میں خوشبو
سارے جہاں میں خوشبو
کون و مکاں میں خوشبو

نظّارہ سے تھا اُس کے آنکھوں کو نور حاصل
دل کو سرور حاصل
سر کو غرور حاصل

اُس کو فلک نے دیکھا اِک قہر کی نظر سے
افسوس چشمِ تر سے
ظالم نے بام پر سے

باد نسیم آئی طوفاں ہوا نمایاں
وہ ہو گیا ہراساں
وہ ہو گیا پریشاں

وہ پتّیاں نہیں اب نشکِ ختن کہاں ہے
رنگِ چمن کہاں ہے
وہ عشوہ فگن کہاں ہے

وہ عالم بقا ہیں سمجھو نہ اس کو فانی
وہ پھول جاودانی
وہ پھول آسمانی

۱۹۲۷ء

آنسو

اے مرے آنسو ہے تو اک قطرہ آبِ ناب کا
ہے مگر چشمِ صدف میں گوہرِ شہوار تو

صورتِ شبنم کہیں ہے تو خس و خاشاک پر
ہے کہیں تابندگی سے آبِ نوکِ خار تو

برقِ خرمن سوز ہے سرمایۂ دل کے لئے
ہے پئے نخلِ تمنا ابرِ گوہر بار تو

شاہِ دل کا تجھ کو کہئے باوفا پیغامبر
غم کا آنکھوں ہی میں کرتا ہے فقط اظہار تو

غازہ کرتا ہے اگر روئے عروسِ شام پر
بن کے رہتا ہے ستارہ چرخِ نیلی فام پر

زینت افزائے فلک ہوتی ہیں یہ لڑیاں تری
جب نظر آتی ہیں شب کے وقت بن کر کہکشاں

دیکھنے میں گرچہ ہے پارہ سراپا نور کا
ظلمتِ غم کا مگر عالم ہے سینے میں نہاں

شادمانی کا کوئی پیغام لے آتا ہے جب
آنکھ کے پردے سے ہو جاتا ہے تو فوراً رواں

نوکِ مژگاں پہ کبھی آکر اٹک جاتا ہے تو
پھیر کر دنیا پہ رہ جاتا ہے پانی بے گماں

نقش باقی ہیں ترے پانی کی تو تحریر ہے
پھر بھی میرے دل کی جیتی جاگتی تصویر ہے

سنہ ۴۶ء

سرما کی پری

نیلے پیلے گلوں کے گہنے   سرما کی پری نے خوب پہنے
سر پر رکھتا ہے تاجِ زرّیں   اللہ اللہ رے شوقِ تزئین
ہو دید کی تاب کس نظر سے   پوچھے تو کوئی دل و جگر سے
چپ چپ بجلی گرا رہی ہے   سوتے فتنے جگا رہی ہے

لے کے آئی پیامِ عرفاں
دے کے جائے گی جامِ عرفاں

کرنوں کے لگائے رہ میں پھندے   کیں پھر اٹھکھیلیاں صبا سے
کیسا ہے نظر فریب منظر   اک خواب ہے خواب میں سراسر
کھلتا ہی نہیں یہ راز کیا ہے   پردہ غفلت کا پڑ گیا ہے
فطرت کی ہے کیا ہی سحر کاری   مبہوت ہے زندگی ہماری

سمجھے نہ کوئی اسے تماشا
درسِ عبرت ہے یہ سراپا

سنہ ۳۰ء

۵۷

زندگی

کیا سُنائیں حالِ زارِ زندگی
کیا بتائیں یادگارِ زندگی

ناز اس پر اے دلِ ناداں نہ کر
ہے فقط دو دن بہارِ زندگی

آنکھ سے آنسو نکل کر رہ گئے
دیکھ کر نقش و نگارِ زندگی

دوستی پر اس کی تو دھوکا نہ کھا
ایک دن ڈس لیگا مارِ زندگی

حُسن ہے اک گلشن بے اعتبار
عشق ہے اک خار زارِ زندگی

نقش بر آب اس کو اے ناداں سمجھ
خوشنما گو ہے حصارِ زندگی

دیکھ کر چل اے مسافر دیکھ کر
پُر خطر ہے رہگذارِ زندگی

عرش سے تا فرش کیا آتا نظر
اُڑ رہا ہے اک غبارِ زندگی

کیا کہیں جوشِ جوانی کیا ہوا
دل سے اُترا ہے خمارِ زندگی

راز کُھل جاتا حقیقت کا اگر
سر پہ ہم رکھتے نہ بارِ زندگی

داستانِ زیست کا دفتر لکھیں
ہو اگر کچھ اعتبارِ زندگی

سنہ ۲۷ء

کرشن جی کی بانسری

ہنگامۂ ہستی میں شورش سے بری تو تھی — چھل بل تھی چھلاوا تھی جادو کی پری تو تھی
نغمے ترے ڈوبے تھے سب بحرِ محبت میں — تھے راز دو عالم کے یعنی وہ حقیقت میں
اک وجد کا عالم تھا محفل میں جو بجتی تھی — انبار تھے کشتوں کے جب بن میں گرجتی تھی
گونجے تھے ترے نغمے جمنا کی فضاؤں میں — بکھرے ہوئے ذرّوں میں سنسان ہواؤں میں
ہر راگ سے تیرے تھا اک رنگ نیا پیدا — ہر رنگ پہ مرتے تھے دنیا میں ترے شیدا

افسوس کی تو لکڑی تھی اک آگ بھری نے تھی
ہر دل کو جو تڑپا دے کیا تھی وہ تری لَے تھی

جو تیری صدائیں تھیں الہام کی تھیں باتیں — ظاہر میں تو باتیں تھیں باطن میں کراماتیں
انساں ترے نغمے کو اک بار جو سنتا تھا — ناگن کی طرح سر کو مستی میں وہ دھنتا تھا
بھاتی تھی دل و جاں سے وہ تیری نوا ہم کو — تسخیر جو کرتی تھی پل بھر میں دو عالم کو
انصاف کی دنیا میں تھی تجھ سے ہی آبادی — تو رحم کی دیوی تھی الطاف کی شہزادی

دُنیا میں تو آئی تھی تصویرِ وفا ہو کر
ظلمت کدہ میں بیٹھی تنویرِ ضیا ہو کر

تھی نشو و نما تیری گہوارۂ اُلفت میں
اس واسطے رہتی تھی سرشارِ محبّت میں
کیوں ہو گئی تو غائب دُنیا تجھے روتی ہے
تو ہو کے خفا شاید فردوس میں سوتی ہے
پھر ہو کے ذرا پیدا مُردوں کو جلا دے تو
دُنیا کو مسرّت کا پھر راگ سُنا دے تو

شیدائیوں کے تیرے ہے دل میں پریشانی
آ پھر! کہ میسّر ہو کیفیت رُوحانی

۲۹ء

فلسفۂ موت

وقت دُور نشۂ دَور شباب ہوگیا — بیدار کتنے تھے جسے وہ محوِ خواب ہوگیا
ہم حیات سے آزاد روح کیا ہوئی — فکرِ مآل کار کا ہی سدِ باب ہوگیا
ذاں گزر گیا فصلِ بہار آگئی — قطرہ جو تھا وہ مستی میں جامِ شراب ہوگیا
ہر ایک دل ہوا عشقِ وطن کے طور سے — ہر ذرّہ آفتاب کا گویا جواب ہوگیا
طرب میں روح نے بھی نغمہ سنجیاں جو کیں — ہستی کے تار تار میں پیدا رباب ہوگیا
خمار ہی میں وہ جوشِ خمار آگیا — جو خون جسمِ زار میں تھا وہ شراب ہوگیا

نام و نشان نہیں رہا ذرّوں میں انتشار کا
دُنیا میں دَور آگیا اُلفت کا اور پیار کا

سنہ ۲۹ء

جوگن اور پپیہا

گیت

(۱)

سُن لے میرا گیت
پپیہے سُن لے میرا گیت
جوگن ہوں میں گانے والی پریم کا راگ سنانے والی
پی پی کرنا پریم سے پیارے ہے یہ تیری ریت اُلفت کا ہے جام پپیہے سُن لے میرا گیت
پپیہے سُن لے میرا گیت
جوگن ہوں میں گانے والی پریم کا راگ سنانے والی

(۲)

میرے من کی بات
پپیہے میرے من کی بات

پی پی کا تجھ کو دکھ بھاری   پریم کی میرے لگی کٹاری
ـم کی سر پہ چھائی گھٹا سی بیرن کالی رات   تیرے من کی بات پپیہے میرے من کی بات
پپیہے میرے من کی بات
پی پی کا تجھ کو دُکھ بھاری   پریم کی میرے لگی کٹاری

(۳)

مجھے وہی بیراگ
پپیہے مجھے وہی بیراگ
جس کے ہے تو پریم کا پیاسا   اُسی کی ہے اس دل میں لالسا
ـوں ہی کے لگی بدن میں [illegible] کی آگ   تجھ کو جو احساس پپیہے تجھے وہی بیراگ
پپیہے تجھے وہی بیراگ
جس کے ہے تو پریم کا پیاسا   اُسی کی ہے اس دل میں لالسا

سنہ ۲۹ء

برسات کی فضا

آسماں پر چھا گئی کالی گھٹا برسات کی
ٹھنڈی ٹھنڈی خلد سے آئی ہوا برسات کی

زاہدوں کے دل میں بھی پیدا ہوئی مستی کی لہر
سوتے فتنوں کو جگاتی ہے ہوا برسات کی

ہر طرف کہسار پر طاؤس محوِ رقص ہیں
باغ میں کوئل کی کوکو ہے نوا برسات کی

برق بنکر جلوۂ قدرت ہوا ہے بے حجاب
پانی پانی شرم سے ہو گی گھٹا برسات کی

بزم و ساقی جام و خم مینا و پیمانہ شراب
فکر ہے برسات میں سب کو برابر سات کی

گُل کھلے گلزار میں یا آئیں پریاں خُلد سے
یا قیامت ڈھا گئی کالی گھٹا برسات کی

بھول کر جنّت کا طالب نام جنّت کا نہ لے
دیکھ لے اک بار اگر آ کر فضا برسات کی

کیوں تر و تازہ نہ ہوں برسات میں زخم کہن
کر گئی سب کو ہرا کالی گھٹا برسات کی

۲۹ء

ہندو و مسلم

ہوئے جل جل کے گُل مانندِ شمعِ انجمن دونو
لئے بیٹھے رہے سینوں ہی میں سوزِ کہن دونو
بنے ہیں تختۂ مشقِ خزاں نخلِ چمن دونو
گریباں چاک دونوں پھول ہیں زخمی بدن دونو
چمن سے دُور ہیں دونو چمن کے رنگ و بو ہو کر
پریشاں حال پھرتے ہیں رہینِ ما و تو ہو کر

یہ وہ موجیں ہیں جو بیتاب ہیں دریائے ہستی میں
سکوں ان کو نہیں ملتا تلاطم ہائے ہستی میں
نہیں پرسانِ حال ان کا کوئی غوغائے ہستی میں
پریشانی کی اک تصویر ہیں دنیائے ہستی میں
تمیزِ دیر و کعبہ نے یہ کیسا تفرقہ ڈالا
کوئی دُنیا میں بُت والا بنا کوئی خدا والا

وہ طائر ہیں کہ جن کی عمر گذری اک نشیمن میں
مکیں ہیں وہ کہ ہیں رشکِ جناں کا ایک مسکن میں
گل ہیں جن کی بو پھیلی ہوئی ہے ایک گلشن میں
وہ پتلے ہیں نہیں کچھ فرق جن کے رنگ و روغن میں
مگر افسوس ناواقف ہیں اب تک رازِ فطرت سے
اُٹھانا فائدہ سیکھا نہیں کچھ درسِ عبرت سے

عداوت کو جگہ دیدی خود آغوشِ محبت میں — تنفر کا لگایا داغ دامانِ لیاقت میں
دلوں کے آئینے اندھے ہوئے زنگِ کدورت میں — حیا کے آنسوؤں کا گھر نہیں چشمِ خجالت میں
تغافل حیف کے قابل ہے ان غفلت پرستوں کا
شرابِ خود پسندی سے ہے گھر برباد مستوں کا

یہ مانا گو بہ علمِ خود پرستی ہشیار ہیں دونو — کہاں نظمِ ہستی میں مگر بیکار ہیں دونو
جدالِ باہمی سے خوگرِ آزار ہیں دونو — کریں کیا ہاتھ سے تقدیر کے لاچار ہیں دونو
حقیقت کے تجسس کا دماغوں میں نہیں سودا
علاجِ زخمِ پنہاں کا تصور ہی نہیں آتا

کبھی اخلاق کے پیکر تھے تم اے ہندو و مسلم — کبھی تہذیب کے مصدر تھے تم اے ہندو و مسلم
کبھی تنظیم کے خوگر تھے تم اے ہندو و مسلم — کبھی شمشیر کے جوہر تھے تم اے ہندو و مسلم
تمہارے علم و حکمت کا تھا سکہ اک زمانے پر
جبیں سا ساری دنیا تھی تمہارے آستانے پر

تمہارے داغِ الفت دیکھنے میں گو شرارے تھے — چمکنے کے لئے لیکن فلک پر چاند تارے تھے
سراپا نورِ ایماں تھے کہ جنت کے سہارے تھے — جہازِ عمرِ ہستی کے لئے روشن کنارے تھے

دکھا کر آئینہ میں معجزہ کی شان دُنیا کو
بنایا حسنِ دل افروز سے حیران دُنیا کو

کہاں وہ اب زمانے میں کہاں وہ اہلِ عزت ہیں
کدھر زورِ حکومت ہے کدھر اعیانِ حکمت ہیں
نظر آتے نہیں اگلے کہاں سامانِ ثروت ہیں
تمہارے لعل و گوہر آج کن تاجوں کی زینت ہیں
گرایا گردشِ بخت نگوں نے آسمانوں سے
سُلایا خوابِ غفلت میں تمہیں رنگیں فسانوں سے

جسے تم آج گھر کہتے ہو ویرانہ کا عالم ہے
نہیں یہ محفلِ عشرت سراپا بزمِ ماتم ہے
خوشی کے دیکھ لو پہلو میں کیا ہے نشترِ غم ہے
بظاہر ہے جو شیرازہ بباطن آہ برہم ہے
اُٹھو خوابِ گراں چھوڑو مزہ لو زندگانی کا
نکالو حوصلہ رکھتے ہو کیا دل میں جوانی کا

صدائے غیب کہتی ہے خیال ما و تو چھوڑ دو
مخالف ہو جو حُبِّ قوم کی وہ آرزو چھوڑ دو
ہو پیدا اپھوٹ کشتِ دل میں تخمِ جوشِ نمو چھوڑ دو
اگر دُنیا میں رہنا ہے تو یہ لڑنے کی خُو چھوڑ دو
ملو آپس میں یوں ہو ہو کے شیدائے وطن دونو
کہ جیسے مل گئے بچھڑے ہوئے گنگ و جمن دونو

سنہ ۱۹۳۰ء

حبِ وطن

فکرِ مآل کی جو غذا سے ہیں شاد کام
انساں نہیں ملک ہیں جہاں میں وہ لاکلام

نیچر کا اقتضا ہے کہ ہیں کامراں وہی
راہِ عمل میں ہوتے ہیں جو گامزن مدام

رکھتے ہیں اپنی قوتِ بازو پہ جو نظر
موقوف انہیں کے واسطے ہے راحتِ دوام

جن کو وطن کی چیزوں سے اُلفت ہو پیار ہو
انساں وہی ہیں قابلِ تعظیم و احترام

مرنے سے پہلے مر گئے حُبِ وطن میں جو
بعد فنا ہے زندۂ جاوید ان کا نام

دُنیا میں گائے جاتے ہیں گیت اُن کی مدح کے
بنکر گدائے قوم جو پھرتے ہیں صبح و شام

ہندوستاں کو فخر ہے اُن کے وجود پر
لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جن کا جام

۱۹۲۹ء

دیہاتی گیت

سن مرا بارہ کا تھا پردیس کو پر ہتیم گئے
بعد بارہ ہی برس کے دیس کو واپس پھرے

گاؤں سے باہر ہی باغوں میں مگر ڈیرا کیا
گاؤں کے لوگوں سے پھر پوچھا تھا میرا ماجرا

گاؤں والوں نے کہا عصمت کی وہ تصویر ہے
اس کے چہرہ سے عیاں تقدیس کی تنویر ہے

ظرفِ عالی کا نمونہ ہے وہ بیوی آپ کی
ہوتی ہے معلوم بیٹی نیک سیرت باپ کی

باغ سے اُٹھ کر چلے وہ آئے گھر کے دوار پر
اور پھر کہنے لگے یوں خادمہ کو دیکھ کر

خادمہ مجھ کو بتا دے تو مری بیوی کا حال
مست ہو کس رنگ میں کیسی ہے اس کی چال ڈھال

خادمہ بولی کہ منہ کو ڈھانپ کر چلتی ہے وہ
جو ہے لے گھونگھٹ اس کے نام کو جپتی ہے وہ

رکھی قائم آبرو ددھیال اور ننھیال کی
دیوی نے عزت بڑھائی ہے سسرال کی

سن کے یہ میرے پیا اب گھر میں داخل ہو گئے
صحن میں چوکی بچھا دی ماں نے ان کے واسطے

لیکے لوٹا پانی کا جلدی سے پھر دوڑی بہن
دیکھ کر بھیا کو اپنے ہو گئی دل میں مگن

پیکے پانی والدہ سے یوں پیا گویا ہوئے
مجھ کو اب آگاہ کر دو بیوی کے اخلاق سے

والدہ کہنے لگی سن لے مرے لختِ جگر — ہوگئی تیری بہو فرقت میں کانٹا سوکھ کر

اُس کے چہرہ پر عیاں ہے تیری اُلفت کا نشاں — غیر فانی ہے محبّت کا وہ حُرمت کا نشاں"

تیری اُلفت میں ہمیشہ رہتی ہے بیٹے مگن — دل کو ہے مرغوب اس کے نیچی نظروں کا چلن"

اُس کے دل میں خاندانوں کی ہے عزّت کا خیال — دیکھ کر دنیا سبق لیتی ہے اُس کی چال ڈھال"

ہو کے خوش ہر بات سے پھر اس جگہ آئے پیا — لگ رہا تھا جس جگہ میرا زمیں پر بسترا

بسترے پر بادۂ اُلفت میں میں مدہوش تھی — مثلِ تصویرِ نہالی عجز سے خاموش تھی

آتے ہی سینے سے شوہر نے لیا مجھ کو لگا — اور مرے قلبِ حزیں کا مجھ سے پوچھا ماجرا

بولی فرقت میں نہ کھایا پان کھانا بھی روا — چھالیا کے کاٹنے کا تو بھلا مذکور کیا"

صحن میرے واسطے ہرگز نہ تھا جنگل سے کم — گھر نظر آتا تھا مجھ کو خانۂ رنج و الم"

آپ کی فرقت کسی پہلو گوارا ہی نہ تھی
کاٹتی تھی کالی ناگن کی طرح یہ سیج بھی

سنہ ۲۹ء

شکتی

ہرگز نہیں مٹے گا نام و نشاں ہمارا
مانا کہ سر پہ دشمن ہے آسماں ہمارا

اے آسماں تجھ کو پھونکیں گے اک نہ اک دن
آہِ رسا ہماری سوزِ نہاں ہمارا

ہم اپنے قول پر ہیں ثابت قدم ازل سے
جی جس کا چاہے کر لے اب امتحاں ہمارا

منزل پہ دیکھ لینا اک روز سب سے آگے
پیچھے نہیں رہے گا یہ کارواں ہمارا

صیاد خیر پہلے اپنی بھی تو منا لے
برباد کیا کرے گا وہ آشیاں ہمارا

ناکامیوں میں حاصل ہوتی ہے کامیابی
کیا کر سکے گا پھر یہ دورِ زماں ہمارا

یہ بندہ پروری کا غرّہ کسی کو کیوں ہے
ہے کون جز خدا کے روزی رساں ہمارا

۲۶ء

نالہ اور میں

(موضع ماچھرہ کے قریب ایک نالہ ہے جو موسم گرما اور سرما میں تو خشک پڑا رہتا ہے مگر برسات میں اتنا چڑھ جاتا ہے کہ پار کرنا دشوار ہو جاتا ہے نیز سانپ بھی کثرت سے نکل آتے ہیں اسکول جانے کے لیے راستہ میں کوئی پل نہیں پڑتا اسے پار کرنے میں جو دقتیں اٹھانی پڑتی ہیں انہیں پار کرنیوالے ہی جانتے ہیں اس نظم میں یہی حالات قلمبند کیے گئے ہیں)

کیسا وحشتناک ہے اے نالہ نظّارہ تیرا — کانپتا ہے خوف سے دل چرخِ ناہنجار کا
تیری موجوں کا تلاطم آہ! درد انگیز ہے — ہے تو تو نالہ مگر دریائے طوفاں خیز ہے
جوش میں آنا ترا اور پھر بپھر کر پھیلنا — حشر پر کرتا ہے برپا وہ نمونہ اک حشر کا
آہ! کیا نقشِ بدی سفاک لوحِ دل پہ ہیں — ناگ منہ کھولے ہوئے بیٹھے ترے ساحل پہ ہیں
پار کرنے سے ترے ہو پار بحرِ زندگی — روز مر مر کر جیا کرنا ہے قسمت میں مری

ٹوٹ جا اے سازِ ہستی ٹوٹ جا اک بار تو
کر جہازِ عمر کو بحرِ فنا سے پار تو!

میں سرِ ساحل ہوں تو ہے آغوشِ ساحل میں رواں — میں تلاشِ کارواں میں تو میانِ کارواں
میرے کانوں میں نہیں آتی وہ اب بانگِ درا — واہ رے گردش کہ مجھ سے کارواں بچھڑا مرا

ولکھا ہے کاتب تقدیر نے میرے لئے
اور یہ میرا جسم خاکی ہے فقط تیرے لئے

ھوڑ کر جاؤں کہیں میں تجھ کو یہ ممکن نہیں
وہ امنگیں اب نہیں جوشِ جنوں کے دن نہیں

جزن بحرِ تفکر تیرے ہی قطروں سے ہے
زندگی باقی ہے کچھ تو تیرے ہی قدموں سے ہے

راستہ چھوٹا سا ہو تجھ پر جو اے نالہ کہیں
راہ گیروں کے لئے بن جائے تو خلدِ بریں

سنہ ۱۹۲۶ء

جگنو

نوٹ:- یہ بحر اُردو میں کم مروج ہے البتہ عربی اور فارسی میں اس کا رواج بکثرت ہے،

برسات کی یہ شب ہے تاریک جہاں ہے — پڑتی ہیں جہاں نظریں اِک ہُو کا سماں ہے
کیا زیرِ فلک گردوں بادل کا عیاں ہے — وہ بزمِ فلک بھی اب پردہ میں نہاں ہے

ہے دوش ہوا لیکن اک طور کا عالم
چھایا ہوا صحرا میں ہے نور کا عالم

چنگاریاں اُڑتی ہیں خاموش فضا میں — یا مور ہیں یہ رقصاں ظلمت کی قبا میں
یا شانِ مسیحائی چھن چھن کے گھٹا میں — ذرّوں کو اُڑاتی ہے پردیکے ہوا میں

یا چرخ پہ بادل کے چمکے ہیں ستارے
یا برقِ تجلی کے گرتے ہیں شرارے

ننھے سے ستارے ہیں چھوٹے سے قمر ہیں — اشکوں کے تقاطر ہیں یا لختِ جگر ہیں
یا قلبِ حزیں کی یہ آہوں کے شرر ہیں — یا رات کی لیلیٰ کے زینت کے گہر ہیں

چھوٹے سے غبارے ہیں پر نور سراپا
اجسام کے عالم میں ہیں حُور سراپا

کیا ذوق محبت ہے ہو ہو کے ہراساں
پھرتے ہیں لیے مشعل ہاتھوں میں پریشاں

ہے لغزشِ مستانہ وحشت کا ہے ساماں
ہو کر بھی سراپا شمع پروانے ہیں ناداں

ہیں ماہ مُنوّر بھی اُف! ناز کے کشتے
پھرتے ہیں جہاں میں کس انداز کے کشتے

سنہ ۱۹۲۷ء

ہرن کی فریاد

صیاد! تو نے مجھ کو کیوں قید کر لیا ہے
کیا بے زباں نے ظالم تیرا بُرا کیا ہے؟

گردن میں اے ستمگر ڈالا رسن کا پھندا
تعزیر کس خطا کی کس جرم کی سزا ہے؟

باندھے ہوئے کمر ہے تو جور پر جفا پہ
کیوں ہاتھ دھو کے پیچھے اس جان کو پڑا ہے؟

افسوس تو نے میری جانی نہ قدر و قیمت
آہو کی شکل میں یہ اک لعل بے بہا ہے

معلوم ہی نہیں ہے تجھ کو مری حقیقت
پہلو میں میرے کعبہ تیرے سجود کا ہے

قائم ہے جس کے فیضِ قدرت سے تیری ہستی
مخلوق میں اسی کی خالق وہی مرا ہے

تیری رگوں میں جس کا ہے جذبۂ محبت
اس سر میں بھی اسی کا جوشِ جنوں بھرا ہے

دونوں میں ایک بو ہے دو گل ہیں اک چمن کے
تجھ سے نہیں الگ ہوں مجھ سے نہ تو جدا ہے

فطرت کا راز ہے یہ تو چشمِ دل کو وا کر
غفلت کا پڑ گیا ہے پردہ سا تیرے دل پر

اک روح پر ہے سب کا دارومدارِ ہستی
اک ذات سے ہے قائم باغ و بہارِ ہستی

اک بحرِ بے کراں سے قطرے جدا ہوئے ہیں — اک آفتاب کے ہیں روشن شرارِ ہستی

یہ رنگ امتیازی کیسا ہے تیرے دل پر — یکساں ہیں جب سبھی کے نقش و نگارِ ہستی

نقشِ دوئی مٹا دے الفت کی زندگی ہے — ذرّوں میں کر نہ پیدا تو انتشارِ ہستی

ذی روح کوئی بہتر از یک دگر نہیں ہے — قصہ نہیں تو بجھتا ہے کیا دیارِ ہستی

ویران کر کے اپنے دل کے حرم کو نادان — تعمیر کر رہا ہے اپنا مزارِ ہستی

جاندار کو ستانا ہے عدل کے منافی — بالا رہے گا تیرا اعزاز و وقارِ ہستی

دو روزہ زندگی پہ غافل ہے فخر بیجا — چھپ جائے گا نظر سے اک دن غبارِ ہستی

ناشاد کر کے مجھ کو دل شاد تو نہ ہوگا

بربادیوں سے میری آباد تو نہ ہوگا

۱۹۲۹ء

شانِ عبادت

اک بن کے مناظر بھی کس درجہ نرالے تھے
حیران تھے ششدر تھے جو دیکھنے والے تھے
رہنے کو وہاں ڈیرے رشیوں نے جو ڈالے تھے
فطرت نے سبھی دل کے ارمان نکالے تھے

یہ ایک تپو بن تھا
یا عیش کا مسکن تھا
راحت کا نشیمن تھا
فردوس کا گلشن تھا

(۲)

کیا لطفِ سکوں حاصل مسحور فضاؤں میں
کوئل کے ترانوں میں موروں کی نواؤں میں

غنچوں کے چٹکنے میں مستانہ ہواؤں میں
شبنم کے بکھرنے میں سبزہ کی اداؤں میں
بلبل کا ترنم تھا
یا سحر تکلم تھا
پھولوں کا تبسم تھا
یا جوش تلاطم تھا

(۱۳)

آزادی کے عالم میں آزاد پرندے تھے
صیاد کا ڈر کب تھا بے خوف چرندے تھے
اک جام محبت میں سب مست درندے تھے
اُس گوشۂ راحت میں اُلفت ہی کے بندے تھے
اخلاص کی بستی تھی
بخشش ہی سستی تھی

پُرکیف وہ ہستی تھی
ہر ذرّہ پہ مستی تھی

(۴)

آزاد تیہو بن کے آہو رہا کرتے تھے
بے خوف و خطر ہو کر چَرتے پھرا کرتے تھے
رشیوں کے اُنھیں بچّے کھانا دیا کرتے تھے
بچّوں سے کُلیلیں وہ آہو کیا کرتے تھے

کیا لطف ہوا بَن میں
وحدت کی ضیا بَن میں
رہنے کا مزا بَن میں
جنّت کی بقا بَن میں

(۵)

بچّوں کو لئے اپنے اِک روز کوئی ہرنی

چرنے کو چلی گھر سے ہاں دوب ہری بن کی
فطرت کی بہاروں پر سرمست ہوئی ایسی
بس دور تپ و بن سے چرتی ہوئی جا نکلی
مدہوش ہوئی ہرنی
خود کوش ہوئی ہرنی
بیہوش ہوئی ہرنی
رُو پوش ہوئی ہرنی

(٦)

اس وقت قضا را اک صیّاد بھی آ نکلا
نظارہ کیا اُس نے آزاد غزالوں کا
ان سب کو پکڑنے کا دل میں جو ہوا سودا
ظالم نے جفا جُو نے لے جال کو پھیلایا
دو سمت لگے پھندے
اک سمت گڑے کانٹے

اِک سمت میں آتش کے
شعلے ہی بھڑک اُٹھے

(۷)

یوں چشم زدن میں وہ محصور ہوئے سارے
مظلوم بنے بیکس مقہور ہوئے سارے
ہر سمت پھرے دوڑے مجبور ہوئے سارے
اِک وار انا الحق پر منصور ہوئے سارے
ہر فن کو خیال آیا
کیسا یہ وبال آیا
انجام کمال آیا
پیغام زوال آیا

(۸)

افسوس قضا میرے بچّوں کو یہاں لائی
تقدیر کے آگے کچھ تدبیر نہ بن آئی

اِن گھاس کے تنکوں پر ہیں بن گئی سودائی
لالوں کی ہوئی افت ہیں مقتل ہیں تماشائی

بچوں کو بچا یارب
کانٹوں کو ہٹا یارب
پھندوں کو اُڑا یارب
آتش کو بجھا یارب

(۹)

تڑپی جو وہاں ہرنی مغرب سے اُٹھا بادل
دم بھر میں گرج کر پھر آگے کو بڑھا بادل
طوفاں کا ہراول ہی بن بن کے چلا بادل
رہوار ہوا پر بھی چڑھ کر ہی اُڑا بادل

پھر برق جو للکاری
پانی بھی ہوا جاری

ظلمت وہ ہوئی طاری
ہر سمت تھی اندھیاری

(۱۰)

وہ خوف ہوا طاری   صیّاد چلا بَن سے
نکلیں پریشاں وہ   لاچار پھرا بَن سے
پھندوں کو وہیں چھوڑا   ناکام اُڑا بَن سے
حسرت سے پھرا پاپی   مایوس ہوا بَن سے
تھی رب کی یہی مرضی
آتش وہ ہوئی ٹھنڈی
کیا شانِ عبادت تھی
آزاد ہوئی ہرنی

۱۹۳۰ء

تاج محل

…شعرائے عربی و فارسی نے اس بحر کا بہ کثرت استعمال کیا ہے البتہ اُردو میں اس کا رواج کم ہے،

…محبت ہے یہ شاہ جہاں کی
تحریرِ حقیقت ہے یہ رازِ نہاں کی
…صداقت ہے اک قلبِ تپاں کی
تفسیرِ عدالت ہے اس دورِ زماں کی

تعمیرِ عمارت پہ دھوکا ہے فسوں کا
انجام سراپا ہے گو سوزِ دروں کا

…ت مصوّر کا اک طرفہ ہنر تھا
فردوس کا عالم ہی یا پیشِ نظر تھا
…پریشاں ہیں جلووں کا اثر تھا
تخئیل ملائک تھی یا وہمِ بشر تھا

کچھ بھی ہو مگر ہے یہ تصویرِ خیالی
ہوتے ہیں عیاں جس سے اجلالِ جمالی

…م حیرت تو جمنا کے کنارے
بیتاب فلک پہ بھی ہیں دید کے مارے
…جدائی کی رکھتے ہیں ستارے
نظارہ کو آتے ہیں پانی میں وہ سارے

سہے خاک کی قسمت یہ تقدیرِ زمیں ہے

عبرت بھی سراپا ہے منظر ہی نہیں ہے

دیکھے تو اسے کوئی باطن کی نظر سے حسرت ہی ٹپکتی ہے دیوار سے در سے

ہے دید کا کب اس کے امکان بشر سے آنسو ہی نکل پڑتے ہیں دیدۂ تر سے

کیا روحِ رواں کو ہو پھر ذوقِ تماشا

بیتاب ہی رہتی ہے جب چشمِ تمنّا

ممتاز محل کا اُف! مرمر کا یہ مدفن جاں بخش جہاں کا یہ ہیہات نشیمن

اک دل کے مکیں کا بھی کیا خاک یہ مسکن ایسی ملکہ کا یہ حسرت بھرا دامن

نیرنگِ جہاں تو نے کیا رنگ دکھایا

اک پیکرِ سیمیں کو مٹی میں ملایا

۱۹۳۰ء

عشق

ر سینے میں اک طوفاں بپا ہونے کو ہے — کچھ نہیں معلوم کیا ہونا ہے کیا ہونے کو ہے
یا لائیں دلِ مضطر کی یہ بیتابیاں — کس جگہ چھوڑیں تخیّل کی فلک پیمائیاں
یرے حقیقت ہی نہیں کچھ طوُر کی — روشنی پھیلی ہے ہر عالم میں میرے نور کی
ہوں جلوہ فگن خورشیدِ عالمتاب میں — میں ہی موجِ بحر کو رکھتا ہوں پیچ و تاب میں
ں میں ہے قائم میرے دم سے روشنی — پتّہ پتّہ سے نمایاں ہے مری جلوہ گری
ہی دم سے جہاں میں ہے وجودِ انساں کا — نام ہے میرے ہی سے نام و نشاں حیواں کا
رے آئینہ میں آ کے اک دریا بنا — ذرّہ پرتو سے مرے عزّت دہ صحرا بنا

میں نہ ہوتا تو نہ ہوتا کچھ بھی جز ذاتِ خدا
کر دیا رُسوا مجھے کر کے حقیقت سے جُدا

ہوتا ہے کبھی صحرا نوردی کا جنوں — دل میں آتا ہے کبھی گوشہ نشینی میں رہوں
شبنم عیاں ہو کر ہوا میں پائمال — شمعِ سوزاں کی طرح جلنے میں تھا میرا کمال

آ گیا جب سے مری دنیا میں یہ رنگِ مجاز
ہے رہینِ شانۂ موجِ صبا زلفِ ایاز

۱۹۲۹ء

خودداری

کشتیٔ امید جب زیر و زبر ہونے لگے　　زندگی سے ہاتھ دل کا ناشاد دھونے لگے

یاس و حرماں کی گھٹا ہو مطلعِ انصاف پر
بےبسی پر تنگ آکر رحم بھی رونے لگے

کیا ٹھکانا اس دلِ ناکام کی تصویر کا　　بحرِ ظلمت میں ہو جو تشنہ فقط تنویر کا

جس کا ہو راہِ صداقت میں کمالِ زندگی
جو زمانے میں ہو جویا فطرتی تدبیر کا

ناز ہی کرتا ہو جو ہونے پہ اپنے پائمال　　نفس کی غیرت کا بھی جس کو ستاتا ہو خیال

نالہ و فریاد سے ہو کس لئے وہ آشنا
چشمِ خودداری میں رکھتا ہو جو اشکِ انفعال

۱۹۲۹ء

مفلسوں کی ہولی

سب اہلِ ہند مست ہیں جامِ خیال میں
گاتے ہیں مرد و زن سبھی ہولی کا راگ آج
ہے پیٹ کو اناج نہ کپڑا بدن کو ہے
ہر شخص کھیلتا ہے لنگوٹی میں پھاگ آج

۱۹۴۶ء

فرشتہ اور انسان

(۱)

اک روز اک فرشتے نے انسان سے یوں کہا
"اے مرد نیک وہ ترے کیسے اصول ہیں

ہر ذی حیات جن پہ دل و جاں سے ہے نثار
مرغوب ہیں جہاں کے دلوں کو قبول ہیں

کیا ایسے ہی نفیس ہیں ایسے ہی پاک ہیں
دامن میں میرے جیسے یہ جنت کے پھول ہیں"

(۲)

انسان نے فرشتے سے کہا جنت کے اے مکیں
"نسبت بھلا ہو خاک کو کیا عرش پاک سے

دھرتی کے باسیوں کو وہ باغوں کو کیا اصول
پیدا ہوں تاک دھول ہی آخر کو خاک سے

رنج و محن سے انسانوں لیکن ہے یہ ضرور
ان پھولوں کی طرح یہاں سینے ہیں چاک سے"

۲۹ء

پھول اور کانٹا

ایک دن باغ میں یہ پھول سے کانٹے نے کہا
کچھ ذرا بھید تو اس کا مرے اے یار بتا

ایک ہی باغ میں ہم دونو ہوئے ہیں پیدا
ایک ہی شاخ پہ دونوں کا لگا ہے ڈیرا

پرورش یافتہ ہیں ایک ہی گہوارہ کے
کھانے پینے کو بھی جو تجھ کو ملا مجھ کو ملا

باد و باراں کے بھی ہیں دونوں پہ یکساں الطاف
دونوں دن رات کا لیتے ہیں برابر ہی مزا

دہر میں تیرے خریدار ہیں لاکھوں لیکن
کیا سبب ہے کہ نہیں کوئی بھی پرساں میرا

ساری دنیا کی نگاہوں میں رہا تو ممتاز
میں مگر لوگوں کی نظروں میں کھٹکتا ہی رہا

سن کے یہ کانٹے کی تقریر کہا پھول نے پھر
بے سبب ہے یہ شکایت تری بیجا ہے گلہ

خوبیاں میں نے جو پائیں وہ کہاں تجھ کو نصیب
تیری طینت میں نہیں وصف برائی کے سوا

تجھ کو آزار رسانی سے ہے ہر وقت غرض
آنکھ میں تیری مروت نہ کہیں شرم و حیا

تتلی کی ساری کے کیوں تو نے اڑائے ٹکڑے
کچھ بگاڑا نہ تھا اس ننھے سے کیڑے نے ترا

پاس اُلفت سے جو بھونرا کوئی آجاتا ہے — دیکھ سکتا نہیں تو پاس مرے اس کو ذرا
جس کی فرقت میں کیا چاک گریباں میں نے — نکلے دشمن ارے ناداں تو اسی کا تو رہا
دیکھتا ہوں جو کسی کو تو میں خوش ہوتا ہوں — میرا شیوہ نہیں دشمن کو بھی ایذا دینا
پیار کرتا ہے جہاں مجھ کو اسی باعث سے — سب سے اخلاص و محبت کا ہے برتاؤ مرا

موذیوں کو کبھی ہوتی نہیں عزت حاصل
ان کو ملتا ہے فقط اُن کی بُرائی کا صلہ

سنہ ۳۰ء

یکسالہ بیوہ

کیا کہوں کیونکر کہوں اِک ہستی بیہوش ہوں
جس کا زیور خود فراموشی ہو وہ بینوش ہوں
ہے مسرت کوش دُنیا میں مصیبت کوش ہوں
بدنصیبی کی ہوں اِک تصویرِ غم بردوش ہوں

محرمِ اسرار ہے کوئی نہ میرا رازداں
ہوں جہاں کی خاطرِ نازک پہ اک بارِ گراں

طلعتِ منحوس سے میری سبھی بیزار ہیں
میری ہستی کو مٹانے کے لئے تیار ہیں
دل ہوا افسردہ تو اعضائے بدن بیکار ہیں
مضمحل ہیں سست ہیں مجبور ہیں ناچار ہیں

ورنہ دُنیا کو تو دَم بھر میں چکھا دیتی مزا
خون کا بدلا جہاں میں بالیقیں اِک خون تھا

میری ہستی سوا ابھی تک ہے زمانہ بے خبر
پڑ گیا غفلت کا پردہ ہی جہاں کی عقل پر
نوشت کا اِک لوتھڑا سمجھا ہے مجھ کو ہر بشر
چشمِ باطن سے نہیں اب ڈالتا کوئی نظر

رائیگاں ٹھہرا ہے گُڑیا کی طرح میرا وجود
کوئی سمجھا ہی نہیں ہے میرا رازِ ہست و بود

کس لئے اے ظالمو! چھوڑا مرے مقسوم کو قعرِ ذلت میں گرایا مقبلو! محروم کو
لے لیا تیرِ جفا کی زد میں کیوں معصوم کو خاک میں بیٹھے ملا کر دھرم کے مفہوم کو
دیکھنے والا بھی ہے اب کوئی ان افعال کا
جو ہری بھی ہے کوئی اس گوہرِ پامال کا
رکھ دیئے برباد کر کے خاندان کے خانداں سینکڑوں چھوڑے مٹا کر ہی گھرانوں کے نشاں
گردنوں پر بیگناہوں کی ہوئیں چھریاں رواں بیکسوں کے خون کی چھوڑیں بہا کر ندیاں
نام ہے بدنام ناحق اتقا و زہد کا
دفترِ اعمال میں رکھتے ہیں داغِ بدنما
پرورش کا بھی کبھی ماں باپ کو آیا خیال تربیت کر کے ذرا پیدا تو کی ہوتی مثال
زینتِ اخلاق کی کرتے تو پہلے دیکھ بھال چشمِ عبرت میں سماتی خوبیٔ حسن و جمال
کچا دھاگا ہاتھ میں معصوم کے دینا نہ تھا
عہد و پیماں عمر کا مرحوم سے لینا نہ تھا
تھا ضروری مدعا جو اس کی تو خواہش نہ کی بھول کر بھی کھانے پینے کی کبھی پرسش نہ کی

کچھ تغافل میں کمی تا حدِ گنجائش نہ کی　　قیدِ غم سے بھی رہائی کی ذرا کوشش نہ کی

گود میں مجھ کو لیا ہوتا کبھی ہنس بول کر
دل کو بہلایا تو ہوتا دل کی گھنڈی کھول کر

کچھ خیال آیا کبھی عصمت کی اس تصویر کا؟　　درد پہلو میں نہ اُٹھا کچھ دلِ نخچیر کا
زخم بھی دیکھا نہیں اس ظلم کی شمشیر کا　　دیدیا بس فیصلہ اک لفظ میں تقدیر کا

نام شادی کا ہوا وہ آہ کیا شادی ہوئی
خانہ آبادی کے بدلے خانہ بربادی ہوئی

عمر بھر کس کس کی میں روتی رہوں گی جان کو　　کیا کروں لیکر خسر اور ساس کے ایمان کو
آگ لگ جائے ابھی مادر پدر کی آن کو　　خاک میں چھوڑے ملا کر کبریا اس شان کو

جس طرح خود میں نہ ہونے پائی سیراب نظر
یُوں ہی یہ دُنیا رہے آشفتہ دل تفتہ جگر

لُٹ گئی میری متاعِ زندگانی ہائے ہائے　　رہ گیا تقدیر میں سوزِ نہانی ہائے ہائے
عہدِ طفلی اور یہ غم کی نشانی ہائے ہائے　　جور و استبداد کی ہے حکمرانی ہائے ہائے

آہ! کیا ڈوبا قمر ظلمت کی باری آگئی
مطلعِ دل پر مرے تاریکیٔ غم چھا گئی

آکے دنیا میں یہ کن اعمال کا بدلا ملا — کن گناہوں کی ملی یہ ہائے پے در پے سزا
سامنا کرنا پڑا افتاد میں افتاد کا — ایسی مجھ سے ہوگئی تھی کیا خطا اندر خطا

کیا نظر بد بیں ہوئی یہ آنکھ تک کھولی نہ تھی
کیا برا میں نے کہا منہ سے ابھی بولی نہ تھی

مجرمِ الفت کہاں اک طائرِ بے بال و پر — صبر آیا ہی نہیں صیاد کو پر کاٹ کر
اک نظر پھرتے ہی مجھ سے پھر گئی سب کی نظر — چلتے ہی ساحل سے کشتی ہوگئی زیر و زبر

زیست سے بیزار ہوں اب موت آجائے کہیں
یا سما جاؤں کہیں اے کاش پھٹ جائے زمیں

آگیا گویا جھپکتے ہی پلک یوم الحساب — آنے بھی پایا نہیں میرا مرادوں پر شباب
عہدِ طفلی دیکھنے پایا نہیں رنگِ حجاب — ہوگئی دنیا میں آتے ہی مری مٹی خراب

میری ہستی کا ہیولیٰ خاک ہو کر رہ گیا
خون کا اک قطرہ تھا جو بن کے آنسو بہ گیا

قوم سے کہدو فوراب گوش بر آواز ہو　　راگنی ہو وقت کی تو وقت ہی کا ساز ہو
دلفریب و دل پسند و دلستاں انداز ہو　　ناز خود کو ہو نہ اس پر دوسروں کو ناز ہو

کام کچھ بزم عمل میں دیکھیں باقی نہ ہو
پینے والوں کی ضرورت ہے نہ ہو ساقی نہ ہو

رنگِ محفل اور ہے رنگِ زمانہ اور ہے　　نغمۂ عیش اور ہے غم کا ترانہ اور ہے
شکوۂ بلبل نہ سمجھو یہ فسانہ اور ہے　　منزلِ مقصود ہی کا آستانہ اور ہے

شیشۂ دل کو مناسب ہی نہیں ہے توڑ دے
شان اس میں ہے کہ وہ ٹوٹے ہوئے کو جوڑ دے

سنہ ۱۹۳۰ء

شباب

رہ گیا ٹوٹ کے یا دامِ طلسمِ ہستی
ڈھل گیا دیکھتے ہی دیکھتے یا جوشِ شباب

یا چمن وادیٔ پُر خار میں دیکھا کوئی
ہو گیا ایک ہی جھونکے میں جو پھر نذرِ عتاب

بحرِ ہستی میں کوئی یا دُرِ خوش آب ملا
ہاتھ میں آتے ہی جو ٹوٹ گیا مثلِ حباب

نغمۂ سرمدی تھا یا کوئی وہ جنّت گوش
بج گیا تھا کوئی یا مطربِ فطرت کا رباب

یا یہ طوفان اُٹھا تھا مرے بحرِ دل میں
جس نے یوں چھوڑ دیا کر کے مجھے خانہ خراب

یا مجھے کر گئی بیہوش گھڑی بھر کے لئے
مجھ کو ساقی نے پلائی تھی ازل میں جو شراب

یا کوئی دشت نوردی ہی میں تھا حُسنِ فریب
چشمِ تشنہ کو نظر آ گیا جو بن کے سراب

جلوۂ زرد پہ تو مستی ہوا افکار میں یا
تھی شبِ تار میں پرکیف ضیائے مہتاب

عشق کا پہلو میں یا شعلۂ جوّالہ اُٹھا
قلبِ محزوں کو گیا پھونک کے یوں جیسے کباب

کیا کہوں کچھ نہیں معلوم ہے دھوکا سا مجھے
خوابِ ہستی میں نظر آیا تھا اک زرّیں خواب

جون ۳۳ء

شعاعِ آفتاب

کس لئے تو ہے پریشاں اے شعاعِ آفتاب — کر رہا ہے مجھ کو یہ بے چین تیرا اضطراب
جستجو میں کس کی ہے وارفتہ سی اے بے خبر — ہے سراپا اشتیاقِ دید میں تارِ نظر

عرش سے تا فرش وابستہ ہے کس اُمید سے
آ گئی ہے تنگ ہی یا منتِ خورشید سے

نور کے پیکر میں رہ کر بھی تو ہے تو بے قرار — تیری فطرت میں نہیں داخل سکونِ پایدار
شاہدِ معنی ہے تو رکھتی نہیں رُخ پر نقاب — ہے عروسِ پرتوِ جذبات لیکن بے حجاب
میرے پہلو میں بھی ہے یہ دل ترا آئینہ دار — اس کو بھی تیری طرح آتا نہیں مطلق قرار

آ چھپا لوں اب تجھے بھی پردۂ آغوش میں
ہو کے رہ جائے نہاں قلبِ حزیں کے جوش میں

جون ۳۰ء

لڑکی اور چڑیا

(۱)

موری نیاری چڑیا
آ ری پیاری چڑیا
کیسا تیرا اُڑنا اُڑتے اُڑتے مڑنا
چُوں چُوں چُوں چُوں کرنا میرے مَن کو بھانا
راج دلاری چڑیا
آ ری پیاری چڑیا
آجا آجا چڑیا مَن کی راجا چڑیا

(۲)

ٹہنی ٹہنی جھولی پتّوں پر تو پھولی
گیت سُناتی آئی بات بناتی آئی

کیا ہے لاڑی چڑیا
آ ری پیاری چڑیا
آجا آجا چڑیا من کی راجا چڑیا

(۳)

پھول کو تو نے سونگھا غنچے کا منہ چوما
اوس میں جا کے بھیگی غم کی دنیا دیکھی
جاؤں واری چڑیا
آ ری پیاری چڑیا
آجا آجا چڑیا من کی راجا چڑیا

(۴)

چگتی چگتی دانے چونچی آگے آگے
کس نے یہ لوتا کا کھینچ کے ڈھیلا مارا
تڑپی لوٹی پوٹی جان بچا کر نکلی

ظالم ہے یہ دُنیا ظلم کا سارا سودا
غم کی ماری چڑیا
آری پیاری چڑیا
آجا آجا چڑیا من کی راجا چڑیا

جون ۳۰ء

تصویر کو دیکھ کر

نوٹ: یہ نظم علم دوست جناب چودھری شیو ناتھ سنگھ صاحب رئیس ماچھرہ کی تصویر کو دیکھ کر لکھی گئی ہے۔

کھنچ گیا آپ ہی تصویر کی جانب مرا دل   کیا کشش مرشدِ کامل تری تصویر میں ہے
حقیقت ہی مگر سب مٹ گئے نقشِ باطل   معجزہ کیا کوئی جادو بھری تحریر میں ہے

(۲)

کیا دکھایا ہے عجب مست مصور نے کمال   کون کہتا ہے کہ یہ بولتی تصویر نہیں
شمع باطن میں سما جائے نہ کیوں حسنِ جمال   ہو جو منت کشِ خورشید وہ تنویر نہیں

(۳)

وہ کا فطرت ہی کو کیا دیتا ہے اک فکرِ رسا   باتیں کیا چند لکیروں میں یہ ظاہر کر دیں
نقش میں رازِ حقیقت کوئی باقی نہ رہا   خوبیاں تھیں جو حقیقت میں وہ ساری بھر دیں

(۴)

دل سے بتلایا ہے کہ یہ .... خاتم کا نگیں   ہے جبیں کی یہ تمنا اسے سجدہ کیجے
التجا روح کی ہے کاش نہ سینہ سے کہیں .... درد کہتا ہے کہ پہلو میں اسے رکھ لیجے

چاند

وہ شمع ہے پُرنور ہے محفل جس سے　　　وہ جام ہے مسرور ہے ہر دل جس سے
وہ پھول ہے گلشن میں ہے جس سے زینت　　　وہ راز ہے مشکل نہیں مشکل جس سے

(۲)

پُرکیف ہے معمور ہے یہ نکہت سے　　　تنویر ہے وہ دور ہے جو ظلمت سے
ہر بزم میں پھیلا ہے اُجالا اس کا　　　محروم نہیں کوئی بھی گھر زینت سے

(۳)

وہ نور ہے جو ہے نہ رہینِ خورشید　　　وابستہ ہے دنیا کی اسی سے امید
بے خوف ہے مجبور نہیں گہنے سے　　　آزاد ہے گویا کہ خوشی کی تمہید

(۴)

آئینۂ حسنِ جاودانی یہ ہے　　　پیغامِ سرورِ زندگانی یہ ہے
دل کی دنیا بھی ہے بسانے والا　　　سرمایۂ عیش و شادمانی یہ ہے

دُخترِ حزیں

رسمِ بد سے تنگ آ کر

چرخِ بے پیر کی ہونے لگی پیہم بیداد — قتل کرنے کے لئے سر پہ کھڑا ہے جلاّد
سُننے والا بھی ہے معصوم کی کوئی فریاد — کرنے والے ہیں سبھی یا مری مٹی برباد

ہیں زمانے میں کہاں دل کی بجھانے والے
آگ میں آگ ہیں سب اور لگانے والے

گھر میں مفلس کے خدا نے مجھے پیدا تو کیا — زندگی دیکے بھی اس کا کوئی سامان نہ دیا
ون سے جرم کی آخر مجھے دی ہے یہ سزا — کس لئے غم مرے مقسوم میں تحریر ہوا

کیا خطا ہو گئی تھی پردۂ نسواں میں بھی
صبر آیا نہیں جو ڈال کے زنداں میں بھی

وں میں تو مرے غیرت کی پڑی ہے زنجیر — ہوتی رہتی ہے لب پہ [illegible] حیا دامنگیر
ے بننے نہیں باقی کوئی میری تدبیر — یاس حرماں کی بنی بیٹھی ہوں گھر پہ تصویر

غم کے جھونکوں سے ہے اُجڑا ہوا یہ باغِ مُراد
لاج رکھے کوئی کر کے مری بستی آباد

جس سے کرتا ہے پدر اب مری شادی کا سوال — مانگتا ہے وہی منہ پھاڑ کے دینار و ریال
دل میں لاتا نہیں پیسہ کی معافی کا خیال — دینے لگتا ہے زمانہ کے رؤسا کی مثال

خانہ بربادی ہے وہ شرط کہ جو پوری نہ ہو
اس سے بہتر ہے کہ شادی ہی کی منظوری نہ ہو

بیٹے والے نے تو یہ شرط لگادی ہے عجیب — پوری کرنے کے لئے باپ بیچارہ غریب
فیصلہ دے نہیں سکتا کسی صورت یہ نصیب — ورنہ مفلس کا زمانے میں نہیں کوئی طبیب

بگڑی قسمت کے نہیں ہائے بنانے والے
ہیں بہت رسم کی تلوار چلانے والے

اندھا زرداروں کو کیا زر کی تمنا نے کیا — سوچتے ہی نہیں بدرسمی کا انجام ذرا
عقل پر مردوں کی اُف پردہ جہالت کا پڑا — دورِ تنویر میں بھی پردۂ ظلمت نہ ہٹا

محوِ امروز ہیں فردا کا نہیں دل میں خیال
بھولے بیٹھے ہیں زمانے کے کمالوں کے زوال

حالتِ قوم دگرگوں ہے تن آسانی میں
خنجرِ جور و جفا تیز ہے بترانی میں
دل کا آئینہ سراسیمہ ہے حیرانی میں
چین ملتا ہے بھلا کس کو پریشانی میں
شمعِ محفل کو کبھی اُن کی نہ جلتے دیکھا
مال پر جن کی طبیعت کو مچلتے دیکھا

نشۂ عیش میں جو قوم رہے گی سرشار
مفلسی کا وہی بن جائے گی اِک روز شکار
پڑتی رہتی ہے زمانہ کی اُسی پر پھٹکار
دھوکے دیتے ہیں مدام اس کو ہی لیل و نہار
سرخرو دیکھی زمانے میں نہ وہ قوم کبھی
اپنی حالت کے بدلنے میں جو کوشاں نہ ہوئی

کوئی منصف نہ رہا قوم میں عادل نہ رہا
لائے جو راہ پہ وہ مرشدِ کامل نہ رہا
کہنے والا بھی رہا کوئی تو عامل نہ رہا
پیروئے رسم سے آزاد کوئی دل نہ رہا
پیٹ بھرتا ہی نہیں حرص کے دلدادوں کا
منہ چڑھا بندہ ہوا ہے کبھی آزادوں کا

میری غیرت کا تقاضا ہے کہ زندہ نہ رہوں — آزمائش میں اگر جان بھی جائے دیدوں

قوم کی بنکے رہوں، رہبر با کار رہوں — شمع سوزاں کی طرح بزم حقیقت میں جلوں

دیکھ لیں مرد کہ یوں ہوتا ہے میدان پہ سر
کام عورت کرے میدانِ عمل میں آکر

پرستارِ حُسن

تصویر دیکھ کر

اے بھونرے! سوزِ عشق میں ہے بیقرار تو
گرتا ہے شمعِ حُسن پہ پروانہ وار تو
ہے اضطرابِ شوق میں بے اختیار تو
جوشِ جنوں میں بھول گیا رہ گذار تو

صہبائے انبساط کے ساغر کو چھوڑ کر
آتا ہے کس طرف ارے منزل سے موڑ کر

معلوم ہی نہیں تجھے کیا لذتِ گناہ
ہے تابشِ دروں سے ترا تن بدن سیاہ
زیبا نہیں ہے حُسن پہ یوں ڈالنا نگاہ
کر دے نہ خاک ہی کہیں تجھ کو کسی کی آہ

آتا ہے گونجتا ہوا دیوی کے تو قریب
اے رہزنِ شکیب ہے کھوٹا ترا نصیب

دیوی کے دھرم کی تجھے شاید خبر نہیں
انجامِ کارِ عشق پہ مطلق نظر نہیں
دل کی لگی بجھانے کو یا اشک تر نہیں
تیری شبِ فراق ہی کی یا سحر نہیں

نیرنگ فطرت ———



صہبائے انبساط کے ساغر کو چھوڑ کر   آتا ھے کسطرف ارے منہ لا گل سے موڑ کر

گمراہ ہو کے پھرتا ہے دنیائے عشق میں
آوارہ مثل گرد ہے صحرائے عشق میں

کوچہ میں حسن پاک کے آنا نہ تھا تجھے　　اس گھر میں شعبدہ یہ دکھانا نہ تھا تجھے
عصمت کا فتنہ ہائے جگانا نہ تھا تجھے　　داغ گناہ دل پہ لگانا نہ تھا تجھے

ناداں ترے شوق کی منزل نہیں ہے یہ
جس دل کی فکر ہے تجھے وہ دل نہیں ہے یہ

اس سینہ میں ہیں جلوے تقدس کے بے قرار　　ہوتا ہے مہر پاک شب و روز جلوہ بار
کیسی ہے کوئی کیا کہے اس باغ کی بہار　　برق نگاہ دیکھ کے ہوتی ہے شرمسار

اس شاہد خیال کا مضموں ہی اور ہے
ظلمت کدہ میں نور کا افسوں ہی اور ہے

جس دیوتا کا نور ہے اس گھر میں جلوہ گر　　دن رات ہے یہ جس کی پرستش میں بے خبر
ہے مست جس کے ساغر الفت میں سر بسر　　اے روسیاہ پہونچے وہاں تیری کیا نظر
الفت کا پی کی اس کی رگوں میں لہو رواں
مہماں نوازی کا ترے دل میں ہے کیوں گماں

اس دیوتا کی ہے یہ پرستار صبح و شام
دل میں اُسی کا رکھتی ہے ہر وقت احترام
حاصل ہے اس کے سایہ میں اس کو خوشی مدام
وہ دل ہے بیقرار تو اس کو سکوں حرام

اندھا ہو یا ہو کوڑھی کوئی یہ نثار ہے
کیا بے نیاز گردش لیل و نہار ہے

عظمت کا اسی کی دہر میں پرچم ہے وہ بلند
سر اس کے پائے قدس پہ رکھتے ہیں ہوشمند
کرتے ہیں حاصل اس سے وہ لوگ [illegible]
ذرّہ بھی پہ فساد کا نہیں ہوتا عمل سے بند

ملت کی رہنما ہے یہ مذہب کی رازدار
کہ ذہن کے اسی پہ ہیں سب راز آشکار

ن کا وجود دہر میں کیا لاجواب ہے
لوحِ جہاں پہ نقشِ وفا انتخاب ہے
ستی تجلّی زار ہے عفت مآب ہے
اک پیکرِ جمال میں جلوہ دل کا خواب ہے

نزہت کی دہر میں ہے انوکھی یہ شاہراہ
ہے حسن بے نیاز کی تابندہ پائیگاد

قسم ہے تیرے پہلو میں کیا دلولہ نہاں
[illegible]

آتا ہے گونجتا ہوا کس زعم پر یہاں   چھیڑا اسے تو خاتمہ تیرا ہے بے گماں
ناداں خیال خام کی تصویر تو نہ ہو
پابستۂ سلاسل تدبیر تو نہ ہو
برپا ہے تیری گونج سے اک حشر بالیقیں   دھڑکا ہوا ہے خوف سے اس کا دل حزیں
ڈر ہے مجھے نہ زلزلہ آجائے اب کہیں   گر جائے آسماں دہل جائے یہ زمیں
متوالا ہے گلوں کا تو جا اُن سے کھیل تو
کر زندگی میں آگ سے ہرگز نہ میل تو

۱۹۳۰ء

اسیرِ قفس

جب بادِ بہاری چلتی ہے آتا ہے موسم تیہوں کا
تعلیم تبسّم دیتا ہے کلیوں کو ترانہ پھولوں کا
پُرکیف مناظر ہوتے ہیں آتے ہیں وجد میں کون و مکاں
اس دل میں ہوک سی اُٹھتی ہے

(۲)

جب نُور کی موجیں اُٹھتی ہیں خورشید کے چشمے سے ہر سو
سجدہ میں شاخیں جھکتی ہیں کرتے ہیں پتّے پھول وضو
کثرت میں جلوہ وحدت کا کرتی ہے حاصل چشمِ جہاں
اس دل میں ہوک سی اُٹھتی ہے

(۳)

جب جھوم کے بادل آتے ہیں موروں کی صدائیں ہوتی ہیں

قطروں کے جام چھلکتے ہیں کوئل کی نوائیں ہوتی ہیں
پیغام مسرت دیتی ہے ہو کر متبسم برق تپاں
اس دل میں ہوک سی اٹھتی ہے

اکتوبر ۱۹۳۵ء

دکھیاری ماں کا چراغ

میرا تو چراغ ہو گیا گُل — کیسی ظلمت میں دے گیا جُل
بجھتے ہی چراغ بجھ گیا دل — کھوٹی رہی زندگی کی منزل
ساری دُنیا تو ہے منوّر — ظلمت کی گھٹا ہے میرے سر پر
آئی کمبخت پر تباہی — شب کی بڑھنے لگی سیاہی
گمراہ ہوئی بھٹک رہی ہوں — غربت ہی میں سر پٹک رہی ہوں
ملتا نہیں کوئی مجھ کو رہبر — یارب یہ قہر بے نوا پر

جام اُمید میرا بھر دے
کر دے روشن چراغ کر دے

اکتوبر ۳۰ء

ایک حسینہ خود آرا سے خطاب

کوئی دُنیا میں نہیں تجھ سا حسینہ خوبرو
مُسکراتی ہیں تری آنکھیں جو سو جاتی ہے تو

تو جب اپنے حُسن کے جادو کا پھیلاتی ہے جال
طائرِ دل کو کوئی قابو میں رکھے کیا مجال

گرتے ہی ہاتھوں سے تیرے آئینہ ٹوٹا ترا
ہائے وہ سایہ رو پہلی گم فضا میں ہو گیا

اس کے ٹکڑوں کو اٹھاتی ہے زمیں سے بار بار
ہاتھ پڑتا ہے ترا ہر ٹکڑے پر مستانہ وار

بے بسی میں اب کوئی چارہ نظر آتا نہیں
ناخنِ تدبیر نادم دل کو گرماتا نہیں

غم کو کرنا چاہتی ہے اپنے نغمے میں نہاں
اُڑ گئیں لیکن رُخِ انور کی وہ رعنائیاں

گر پڑی فرشِ زمیں پر بڑھ گیا تو اضطرار
بے بسی میں عقل کا دامن ہوا ہے تار تار

اکتوبر سنہ ۳۶ء

کلی

اک روز شاخ گل پہ ننھی سی اک کلی تھی
یوں راز اپنے دل کا پھولوں سے کہہ رہی تھی

جو لطف مجھ کو حاصل ہے میری زندگی میں
ہوگا نہ وہ میسر مطلق شگفتگی میں

تبدیل زندگی کا کرنا بجا نہیں ہے
یوں ہول درد سر کا لینا روا نہیں ہے

جو راز ہے ترقی کا خوب جانتی ہوں
پردے میں اوج دل کے پستی کو مانتی ہوں

دیکھی ہیں میں نے کلیاں شاخوں پہ پھولتی تھیں
پتوں میں جھومتی تھیں جھولوں میں جھولتی تھیں

اس زندگی پہ کیسی مسرور ہو رہی تھیں
سرشار تھیں نشہ میں مخمور ہو رہی تھیں

بن بن کے پھول آخر اک دن اجڑ گئیں وہ
ہو کر غبار خاطر شاخوں سے جھڑ گئیں وہ

وہ کیا چھپیں کہ ان کا وہم و گماں نہیں ہے
گم ایسی ہو گئیں سب گویا نشاں نہیں ہے

پھولوں کی زندگی پر میں بھیجتی ہوں لعنت
رکھتی ہوں بند اپنے سینہ میں راز وحدت

پوشاک میری سادہ زیبا ہے میرے تن کو
میں ننگ جانتی ہوں رنگینیٔ کفن کو

اہلِ چمن کے دل میں یادِ خزاں کا ڈر ہے — بادِ بہار اجل کی لیکن پیامبر ہے
فصلِ بہار آئے یارب نہ اس چمن میں — پوشیدہ ہے یہ خطرہ پھولوں کے پیرہن میں

الفاظ یہ کلی کے نکلے ہی تھے دہن سے — جھونکا نسیم کا اک گزرا رہِ چمن سے
بس رہ گئی کلی وہ یکبارگی چٹک کر
جو بھیجتی تھی لعنت پھولوں کی زندگی پہ

اکتوبر ۳۰ء

حسینہ اور آئینہ

چڑھانے کو مندر پہ پھولوں کے ساتھ　　حسینہ کوئی آئینہ لے گئی
کہ جس کا بڑھاپا تھا نزدیک تر　　خزاں آنے والی جوانی پہ تھی
چڑھاتے ہوئے پھول اور آئینہ　　جو رکھتی تھی دل میں وہ کہنے لگی
"یہ صورت نہ پھر اس میں آئے نظر　　مجھے کیا ضرورت اب اس کی رہی
کرے گا یہ کیا رہ کے دکھیا کے پاس　　جو تھی شکل میری نظر آ چکی
جو صورت مری ہونے والی ہے اب　　وہ مجھ سے تو دیکھی نہیں جائے گی"

جوانی میں جس شے سے اُلفت ہوئی
اسی سے بڑھاپے میں نفرت ہوئی

نومبر سنہ ۳۰ء

بہارِ حُسن

تصویر دیکھ کر

ہے بہارِ حُسن کی دیوی چمن میں جلوہ گر　　منظرِ پُرکیف بالائے شجر زیرِ شجر
محوِ ذوقِ دید ہے اُٹھتے نہیں پاتی نظر　　کس قدر دلکش فریبِ زندگی کی ہے سحر

زینتِ صحنِ چمن ہے جلوۂ محفل طراز
دیتی ہے پیغامِ نغمہ کا صبا کی موجِ ناز

نرم کلیوں کے چٹکنے کی ہوا اور دلکش صدا　　ساغرِ گل میں ہے کیا صہبائے وحدت کا مزا
بخشتی ہے تازگی روحوں کو سبزے کی ادا　　باغِ عالم کی فضا ہے باغِ جنّت کی فضا

غم نہیں کثرت میں بھی کچھ شورشِ افکار کا
نقشِ لوحِ دل ہے منظر ابرِ گوہر بار کا

خامۂ قدرت کی صنّاعی پہ گوہر ہیں نثار　　جھومتی ہے شاخِ گل پہ ہر کلی مستانہ وار
پتّہ پتّہ شاہدِ فطرت کا ہے آئینہ دار　　بن گیا ہے دیدۂ نرگس سراپا انتظار

دیویاں شاخ شجر پر جھولا اک ڈالے ہوئے
لُوٹتی ہیں کس ادا سے حُسنِ فطرت کے مزے
ہائے یہ موسم گلوں کا ہائے یہ عہدِ شباب بے پیئے رگ رگ میں ہے کیفیتِ جامِ شراب
مست ہو کر گا رہی ہیں کیا حیا کیسا حجاب تالیاں یہ کیا ہیں بجتا ہے ہتھیلی کا رباب
زندگی کا لُطف جھُولے میں ہے یا گلشن میں ہے
فصلِ گل میں ننھی ننھی بوندوں میں۔ ساون میں ہے

کیف پرور نغمہ ربا ہے۔ نغمۂ جاں آفریں کر رہی ہے مست ہرنوں کو صدائے دلنشیں
چوکڑی بھولے ہوئے ہیں ہوش چرنے کا نہیں ڈر ہے مجھ کو گم نہ ہو جائے دلِ ناداں کہیں
بے حجابانہ اڑا جاتا ہے گلشن کی طرف
کھینچ رہا ہے خود بخود کیوں آہ! رہزن کی طرف
حسن ایسا ہو اہے بے خبر روزِ روشن میں نہیں تاریک پہلو پر نظر
، وحشت کا اثر ہے مآلِ ہستی دنیا سے بے خوف و خطر



ہے بہار حسن کی دیوی چمن میں جلوہ گر مثل پر کیف ہوائے شعر زیر شجر

کچھ نہیں معلوم کیا شے ہیں یہ آدم حیات
مل گیا پینے کو شاید جام آرام حیات

اس قدر رسوا جہاں میں اے دلِ ناداں نہ ہو — قیدِ غم سر پہ نہ لے تو مائلِ عصیاں نہ ہو
اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی موت کا ساماں نہ ہو — چار دن کی زیست میں منت کشِ انساں نہ ہو

دور بینی ہے تجھے درکار مرنے کے لئے
چشمِ باطن چاہیے نظارہ کرنے کے لئے

کر دیا افسوس تونے کچھ کا کچھ دورِ حیات — تو تو سمجھا ہی نہیں رازِ اصولِ کائنات
دائمی تونے جسے سمجھا ہے وہ ہے بے ثبات — چھا گئیں غم کی گھٹائیں سر پہ بن کے کالی رات

روشنی کے دور میں اس درجہ غفلت کوش ہے
کام لے ہوش و خرد سے تو اگر ذی ہوش ہے

لوٹ سکتا ہی نہیں وہ باغِ ہستی کی بہار — حسن کے پیچھے جو پھرتا ہے جہاں میں بے قرار
جان دینی چاہیے مر کر کہیں مردانہ وار — جوہرِ شمشیر پر ظالم ہے ہو جانا نثار

حسن کی آتش میں یوں جلنا نہیں زیبا تجھے
راہ میں مرنے کی بھاتا ہے ترا مرنا مجھے

دسمبر ۳۴ء



جذباتِ ٹیگور

بچّہ کی دُنیا

بچّہ کی مخصوص دُنیا میں ہو میرا جھونپڑا
گوشۂ امن و اماں میں زندگانی ہو بسر

رات بھر معصوم سے باتیں کیا کرتے ہیں وہ
جو نظر آتے ہیں اس عالم میں تارے چرخ پر

آسماں خوش رنگ دِکھلا کر اُسے قوسِ قزح
ہو کے رہتا ہے لُبھانے کو خمیدہ سربسر

دُور تک جو راستہ جاتا ہے قلبِ طفل سے
ہے یہ میری آرزو اس رہ سے ہو اپنا سفر

وہ نہیں مرہونِ منّت صفحۂ تاریخ کے
خسروانِ سلطنت ایسے ہیں قابلِ نامور

اس ہوا میں عقل کے مضبوط اُڑتے ہیں پتنگ
قافیہ صدق و حقیقت کا وہاں ہوتا ہے تنگ

سنہ ۲۶ء

میرا راگ

مرا نغمہ ہے بچّے دامِ محبّت
گلے کا ترے ہار یہ پھول ہوگا
جبیں پر محبّت سے دیگا وہ بوسے
کہ خود برکتوں کو تو مقبول ہوگا

(۲)

یہ خلوت میں نزدیک رہ کر ہمیشہ
مسرت کو کانوں میں بھرتا رہیگا
ترے گرد جلوت میں گھیرا بنا کر
جُدا تجھ کو اوروں سے کرتا رہیگا

(۳)

پر و بال کا کام دیگا ترانہ
یہ طائر ترے فکر کا جب اُڑے گا
تری رہ میں آئے گی جب شامِ غربت
دکھانے کو منزل ستارہ بنے گا

(۴)

بنا کر یہ گھر آنکھ کی پتلیوں میں
بسے گا نگاہوں میں اے پیارے بچّے
مرا نغمہ ہو نغمۂ جاوداں پھر
دلوں میں اُجالا ہو نورِ نظر سے

۱۹۲۶ء

داستانِ حیات

ایک دن معصوم بچہ ماں سے یہ کہنے لگا
مجھ کو پایا ہے کہاں سے تو نے اے اماں بتا

ماں نے یہ سن کر لیا بچے کو چھاتی سے لگا
اور پھر بچے سے اپنے مسکرا کر یوں کہا

تھا مری گڑیا تو ہی بچپن کے کھیلوں میں مرے
میری حسرت تو ہی تھا میری تمنا تو ہی تھا

صبح کو میں دیوتا کا بت بناتی تھی اگر
تیری صورت کا وہ بنتا تھا کھلونا خوشنما

یہ تری صورت رہی بنتی بگڑتی مدتوں
طفلِ ناداں دیوتا کے ساتھ تو پجتا رہا

زندگی میں جو تمنائیں تری نانی کو تھیں
اُن میں بھی ذی روح ہستی تھی تری جلوہ نما

کی پرستش تیری برسوں اس کے بھی آغوش میں
ہے جو اپنا حکمراں وہ غیر فانی دیوتا

بس رہا تھا مثلِ بو تو غنچۂ دل میں مرے
عالمِ دوشیزگی میں مجھ کو یہ عقدہ کھلا

طلعتِ خورشید سے جیسے مرصع ہو فلک
تھا نمونہ نازکی کا تیری وہ بچپن ہرا

کر کے چشمے کو حیاتِ دنیوی کے تو عبور
آ گیا بس ساحلِ دل تک مرے تو آ گیا

دیکھتی ہوں جب میں تیرے اس رخِ پُر نور کو
میری حیرانی کی پھر رہتی نہیں کچھ انتہا

تو مرا نورِ نظر ہے تو مرا لختِ جگر　　　کر نہیں سکتی تجھے میں اپنی چھاتی سے جُدا
ہے نزاکت تیری ان ہاتھوں میں سحر آمیز کیا
اُف! یہ پوشیدہ خزانہ ہے تعجّب خیز کیا"

سنہ ۱۹۲۸ء

اندھا لڑکا

تجھ کو بتلادو وہ شئے ہے کونسی نام جس کا لے رہے ہو روشنی؟
میں نے پایا ہی نہیں اس کا مزا فائدے بینائی سے ہوتے ہیں کیا؟
تذکرہ آپس ہی میں اس کا کرو دیکھتے ہو جس انوکھی چیز کو
کہتے ہو "سورج چمکتا تیز ہے" گرم وہ معلوم ہوتا ہے مجھے
میں نہیں سمجھی اس بات کو کس طرح کرتا ہے وہ دن رات کو
کھیل کو کرتا ہوں اپنا دن شمار رات سونے کو میں دیتا ہوں قرار
نیند اگر آتی نہ مجھ کو عمر بھر رات کی بھی مجھ کو کیا ہوتی خبر
آہ میرے درد سے بھرتے ہو تم اس قدر افسوس کیوں کرتے ہو تم
مجھ کو جس شئے پر نہیں کچھ اختیار کیوں رہو اس کے لئے تم بیقرار
کہہ رہا ہوں تم سے جب گا کر یہی
"بادشاہ ہوں گو غریب اندھا سہی"

سنہ ۱۹۲۸ء

مُفلس کی آرزو

(۱)

مفلسی نے مجھ کو رکھا کبر و نخوت سے بری — ٹھیک ہے مولا مرے جو تو نے مجھ کو دیدیا
خاکساروں کو نہیں کچھ نیچے گرنے کا خطر — عاجزوں کے واسطے بنتا ہے تو خود رہنما

(۲)

راست بازوں پر ترا رہتا ہے ظلِ عاطفت — راستی مجھ کو عطا کر ہے یہی حسرت مری
مال و زر کا زندگی میں دوش پر رہتا ہے بار — یاالٰہی ہے مجھے درکار روحانی خوشی

۱۹۲۸ء

گھنٹہ نہیں بجے گا

نوٹ:- یہ نظم روز ہارٹ وک تھارپ کی ایک مشہور انگریزی نظم کا ترجمہ ہے اس نظم کا ہیرو بیسل انڈرووڈ اور ہیروئن بیسی ہے جس کو بیسل سے سچا عشق ہے۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے بیسل کو شاہ پسندی کے جرم میں ایبور کرامول کی بارگاہ سے یہ حکم ہو چکا ہے کہ جس وقت روشنی گل کرنے کا گھنٹہ بجے گا پھانسی پر لٹکایا جائے گا پھانسی لگنے کا دن آ گیا بیسی نے جس حکمت عملی سے اپنے عاشق کو بچایا تھا اس نظم میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

تھا شام روز ماتم کا گرنے والا پردا
انگلینڈ کا وہ سورج لب بام جا لگا تھا

اس وقت کا وہ منظر کچھ ایسا جانفزا تھا
گویا کہ روح تازہ ہر شے میں پھونکتا تھا

وہ آخری شعاعیں ڈوبے ہوؤں کے دل پہ
اف اف ڈھا رہی تھیں بوسے جبیں کے لیکر

غمگیں تھا سر جھکائے محو خیال بیکس
تصویر غم سراپا بے قیل و قال بیکس

بار الم سے اس کے اٹھتے قدم نہیں تھے
بھاری بنے ہوئے تھے پڑتے کہیں کہیں تھے

بکھرے تھے نازنیں کے چمکیلے بال سر پہ
اور یہ صدا لبوں سے آتی تھی لڑکھڑا کر

گھنٹہ نہیں بجے گا گھنٹہ نہیں بجے گا

اک مجلس کہن وہ جس میں جواں مقیّد — دیواریں کالی کالی اور کالے کالے گنبد
وحشت برس رہی تھی دیوار اور در پہ — دوزخ کا تھا نمونہ وہ خوفناک منظر
زنداں کی سمت کر کے گھڑیالی سے اشارہ — کرتی تھی وہ حسینہ یوں راز آشکارا
بیچارہ میرا عاشق اس جیل میں پڑا ہے — جس کو سنا چکی ہے یہ حکم ہو چکا ہے
جب شب کو تیرے گھنٹے کا ہوگا شور محشر — کھینچیں گے اس کو قاتل اف دار پر چڑھا کر
تیرے سوا جہاں میں حامی مرا نہ یاور — پھوٹا مرا مقدّر افسوس یہ مقدّر
جب تک نہ آسماں پر ظلمت ہو آج طاری — گھنٹہ نہ بجنے پائے قربان جاؤں واری
آئی وہی صدا پھر شیریں دہن سے باہر — بھورے لبوں سے رک رک کر اور لڑکھڑا کر

"گھنٹہ نہیں بجے گا گھنٹہ نہیں بجے گا"

گھنٹہ بجانے والا کہنے لگا کہ گھنٹہ — بجتا رہا ہے مغرب کے وقت یہ ہمیشہ
اب تک نہیں ہوئی ہے مجھ سے نمک حرامی — اس فرض کی بدولت پائی ہے نیکنامی
کاٹی ہے عمر ساری گھنٹہ بجا بجا کر — کیوں فرض منصبی سے ہو جاؤں آج باہر
دامانِ عاقبت پر دھبہ اگر لگے گا — یہ زندگی کا جوہر کس کام کا رہے گا

"گھنٹہ تو یہ بجے گا گھنٹہ تو یہ بجے گا"

سُن کر جنوں سمایا یہ نازنیں کے سر میں — چہرہ بدل گیا وہ وحشت بھری نظر میں
بے درد ہو کے جج نے جو حکم دیدیا تھا — رہ رہ کے نازنیں کے دل میں وہ گونجتا تھا
رہ رہ کے اس کے دل کی بڑھتی تھی بیقراری — گھنٹہ بجے گا پھانسی بسیل کو جب لگے گی
سینے میں اس کے غم کا شعلہ بھڑک رہا تھا — اور یہ لبوں پہ مصرع آ کر اٹک رہا تھا

"گھنٹہ نہیں بجے گا گھنٹہ نہیں بجے گا"

کچھ دل میں غور کر کے اس نے کلانچ ماری — ہمّت کے ور کی یعنی بن کر چلی بھکاری
گھنٹہ بجانے والے کو رستہ ہی میں چھوڑا — بڑھتی رہی وہ آگے پیچھے کو مُنہ نہ موڑا
بیکار ایک لمحہ کھونے نہیں وہ پائی — مینار ہی پہ چڑھنے کی سر میں دھن سمائی
نظروں سے اس کی بچکر زینہ پہ چڑھ گئی وہ — اور جانب درا پھر جلدی سے بڑھ گئی وہ
آنکھیں چمک رہی تھیں ہونٹوں پہ تھی سفیدی — اور یہ صدا برابر مُنہ سے نکل رہی تھی

"گھنٹہ نہیں بجے گا گھنٹہ نہیں بجے گا"

اوپر کی سیڑھیوں پر چڑھ کر پہونچ گئی جب — آنے لگا تھا منظر اِک اور ہی نظر تب

قاصد اجل کا بن کر گھنٹہ لٹک رہا تھا   زینہ اجل کا کھولے منہ نیچے تک رہا تھا
بےخوفی سے اُچک کر لٹکن کو اس نے پکڑا   گویا اجل کو دونوں ہاتھوں سے اپنے جکڑا
گھڑیالی تھا وہ بہرا کھینچا جو اُس نے رسّہ   سمجھا کہ موت کا یہ بجنے لگا ہے گھنٹہ
پکڑے رہی وہ لیکن گنبد میں سر پٹکتی   لٹکن کو گہ جھٹکتی گھنٹے سے گہ اٹکتی
دل میں سمجھ لیا تھا لٹکن اگر یہ چھوڑا   ہل ہی نہیں سکے گا میرا جہاں میں جوڑا
گو ہل رہا تھا گھنٹہ بانگ درا نہ نکلی   لڑکی غضب کی نکلی نکلی بلا کی تیلی
دھڑکن سی لگ رہی تھی گو دل میں اس کے یکسر   لیکن صدا یہ منہ سے آتی رہی برابر

"گھنٹہ نہیں بجے گا گھنٹہ نہیں بجے گا"

بجنے کا وقت گھنٹہ کا جب گزر گیا تھا   اور جھومتا ہوا وہ لٹکن ٹھہر گیا تھا
آہستگی سے لٹکن کو چھوڑ کر وہ اُتری   زینے سے نیچے آئی بیچاری گرتی پڑتی
ظلمت کدہ بنا تھا تاریک ایسا زینہ   صدیوں وہاں بشر نے پہلے قدم نہ رکھا
جو کام کر گئی وہ وردِ زباں رہے گا   اور عشق کی کشش کا صدیوں کھنچے گا خاکہ
مغرب کے وقت جب وہ خورشید کی شعاعیں   کرکے فلک پہ غازہ انساں کا دل لبھائیں

بوڑھے پدر سنائیں بچوں کو یہ کہانی   گھنٹہ نے روشنی کے شب کو صدا نہ دی تھی

آیا کرامول تو نقشہ اک اور دیکھا   گرجے میں نازنیں کو دیکھا بغور دیکھا
جس کی جبیں سے ظاہر فرحت کے کچھ نشاں تھے   رنج و الم کے ساماں مستور بے گماں تھے
قدموں میں گر کے بولی قصہ حضور ہے یہ   گھڑیالی بے خطا ہے میرا قصور ہے یہ
یہ ہاتھ میرے رسّے سے آہ! خوں چکاں ہیں   کچلی ہوئی پڑی ہیں جو ان میں ہڈیاں ہیں
یوں ملتجی ہوا تھا غمگیں روئے زیبا   وہ پیارا پیارا چہرہ وہ بھولا بھالا چہرہ
ڈالا اثر یکایک ایسا کرامول پر   دھندلی سی روشنی میں اُن آنکھوں نے چمک کر
کہنے لگا کہ "شیدا! زندہ ترا رہے گا   اور حکم رات بھر یہ نافذ مرا رہیگا
گھنٹہ نہیں بجے گا گھنٹہ نہیں بجے گا"

۱۹۳۶ء

اللہ کا گھر

رات کو دو بھائی بستر سے اُٹھے یک دِگر کی کچھ بھلائی سوچکر
اپنی بیوی سے بڑا کہنے لگا پاس بھائی کے نہیں کچھ مال وزر
بے سرو ساماں ہے اس کی زندگی زن ہی رکھتا ہے نہ رکھتا ہے پسر
ہے خوشی کے نام سے ناآشنا بے بسی میں کر رہا ہے وہ گزر
میں ابھی غلہ کے اپنے ڈھیر سے ڈال دوں لیجا کے گٹھری اس کے گھر
لیکن اس مقصد میں بھی یہ شرط ہے راز سے میرے رہے وہ بےخبر

چلدیا کہہ کر یہ کرنے فرض ادا
سوچ کر دل میں نہ ہوجائے سحر

خود بخود چھوٹے کو آیا یہ خیال تھا بڑے کی بات سے گو بےخبر
بیوی بچے رکھتا ہے بھائی مرا زندگی ہوتی ہے مشکل سے بسر
نفع جس شئے سے میسر ہے مجھے اس کو ہے باعث خوشی کا سربسر

اپنے غلّہ میں سے لیجا کر ابھی ڈال دوں غلّہ میں کچھ بھائی کے گھر
آشنا کوئی نہ ہو اس بھید سے بھائی بھی ہونے نہ پائے باخبر
سوچ کر یہ دل میں وہ بھی چلدیا اپنے غلّہ میں سے گٹھری باندھ کر

اس طرح باہم ادا کرتے رہے
اپنا اپنا فرض دونو جان کر

دن میں اک دن جب وہ آپس میں ملے روشنی میں تھے بڑے حیراں مگر
سوچتے ہیں شب کو کیوں آیا خیال کس طرح پہونچی بھلائی پہ نظر
جب خلیفہ نے سنا یہ ماجرا بولا وہ "یہ ہے محبت کا اثر"

"رہتی ہے اُلفت جہاں یکساں بہم
جان لو تم ہے وہاں اللہ کا گھر"

۱۹۲۸ء

سکونِ قلب

تجھے ملنے کی حسرت ہے بتا دے کچھ نشاں اپنا
بنایا ہے کہاں تو نے مکاں اے لامکاں اپنا

ترے دیدار کا طالب میں پہونچا بنکے غاروں میں
صبا کچھ گنگناتی سی چلی کہہ کر اشارہ [illegible]

پریشاں حال یوں پھرتا ہے جس کی جستجو میں تو
وہ گل تو دیکھ سکتا ہے نہ پا سکتا ہے تو اس کی [illegible]

کبھی تو ہیں قزح دیکھی فضائے آسمانی میں
نظر کو ہو گیا دھوکا ترا اس خوشنمائی میں

چلی پھر بادِ صرصر تو رہا یہ بھی عیاں ہو کر
قبائے ابر یاراں اڑ رہی ہے دھجیاں ہو کر

ترا سودا مجھے اک دن گیا لے کر گلستاں میں
جو دیکھا گل خیال آیا کہ تو ہے اس کے داماں میں

مگر اس گل کی شاخوں کو بھی کیڑوں نے کریدا تھا
رہائی جس سے مشکل تھی وہ عقدہ نا کشا پیدا تھا

بزرگوں کے ملنے پر کہا اس سے یہ رازِ دل
تبسم کر کے یوں کہنے لگا وہ مرشدِ کامل

رہا کرتا تھا شہزادہ کوئی کہتے ہیں شیلم میں
نہ رکھتا تھا غرض عالم سے یکسوئی کے عالم میں

اُسے بھیڑوں کے گلہ میں سرورِ قلب حاصل تھا
نظر میں دولتِ دنیا کا ہر اک نقش باطل تھا

عدو اس کے مگر اس پہ بھی ایسے ہو گئے بدظن
متاعِ زندگانی لوٹ کر اف بن گئے رہزن

اُگے بعدِ فنا کچھ نخلِ گندم قبر پہ اس کی — پھلے پھولے جہاں وہ لائے نیکی کا ثمر اس کی
مبارک جانکر لوگوں نے رکھا ان کو عزت سے — انھیں کا تخم پھر اس قبر پہ بویا عقیدت سے
انھیں تخمِ تقدس کی ہوئی برکت جہاں بھر میں — نظر آیا انھیں کا جلوہ پھر صحرا کے منظر میں
وہ دانے مل گئے جس کو مرادیں ہوگئیں حاصل — سبکدوشی ہوئی بارِ گنہ سے بن گیا کامل
میری کشتِ تمنا میں وہی دو چار دانے ہیں — کہ جن میں نیک اعمالی کے پوشیدہ خزانے ہیں

انھیں دانوں کی اے ناداں اگر روٹی بنائے گا
تو پھر اس نانِ گندم میں تمنا دل کی پائے گا

۱۹۳۶ء

زندگی کا راگ

رنجیدہ ہو کے کرتے ہو کیوں مجھ سے یہ کلام
ہستی ہے جس کا نام وہ خواب و خیال ہے
فانی خیال کرتے ہو خوابیدہ روح کو
سمجھے نہیں تم اس کو کہ وہ لازوال ہے

(۲)

جس کو فنا کبھی نہیں وہ ہے حیاتِ روح
ہوتا نہیں ہے قبر میں کبھی اس کا اختتام
"ہو کر رہے گا خاک تو ہستی ہے تیری خاک"
باقی رہے گی روح مگر تیرے ہی لا کلام

(۳)

باہم جدا ہیں عیش و نشاط و ملال و رنج
یہ تو نہیں ہیں منزلِ مقصود کے نشاں
ہر وقت یوں ترقی کی ہم راہ میں رہیں
کل کا مآل آج سے بہتر ہو بے گماں

(۴)

تیزی سے وقت جاتا ہے حد کام کی نہیں
رہتا ہے اپنی طاقت و ہمت پہ ہم کو ناز
پیغام کوچ کا ہمیں دیتا ہے ہر گھڑی
پوشیدہ ڈھول کی طرح ہستی کا بجکے ساز

(۵)

میدانِ کارزار ہے دنیا ہے جس کا نام — عیش و خوشی ہیں منزلِ آرام کے نشاں
حیوانوں کی جہان میں کیا زندگی ہے خاک — مردانہ وار بڑھ کے دکھاؤ تو کچھ یہاں

(۶)

دھوکا نہ کھاؤ فردا پہ گو ہے وہ پُر نشاط — چھوڑو کہ مردہ ہوگئے ماضی کے اب کمال
رکھتے ہوئے خدا کی مگر ذات پہ یقیں — کوشش سے اپنے حال کی پیدا کرو مثال

(۷)

حالاتِ زندگی سے بزرگوں کے لیں سبق — حاصل ہوتا کہ زیست کو وہ حالتِ صعود
نیکی کی رہ میں کاموں کا ہوتا رہے ظہور — نقشِ قدم کا بہر خلائق رہے وجود

(۸)

شاید کہ زندگی کی کوئی رہ میں پھر غریب — ہو جائے اس صعوبتِ غربت سے بیقرار
نقشِ قدم کو دیکھ کے حاصل ہو انبساط — ہمت کی رہ میں پھر اُسے ہو گا نہ انتشار

(۹)

تسلیم اور رضا ہی ہے انسان کا کمال — محنت سے اپنے کاموں کا کر دے وہ اختتام
ہو اکتساب علم و ہنر میں نہ کچھ قصور — انجام کو خدا پہ مگر چھوڑ کر مدام

۱۹۲۸ء

تاریکی میں روشنی کا ظہور

اوّل تو تماشے ہی اُس رب کے نرالے ہیں
کھیلوں کے طریقے پھر اُن سب کے نرالے ہیں

ہے اس کا رواں سکّہ دنیا کے سمندر پہ
کرتا نہیں قابو سے طوفان کو وہ باہر

دنیا میں بہت گہری تاریک جو کانیں ہیں
صنّاعِ دو عالم کی حکمت کی مثالیں ہیں

اے نیک سپر بندو کیوں پڑتے ہو مشکل میں
ہے ابر سیہ کا کیا اب خوف و خطر دل میں

محدود تخیّل سے تم اس کو نہ پاؤ گے
پچھتاؤ گے اُس پر جو ایمان نہ لاؤ گے

قدرت کے کرشمے تم دیکھو گے عیاں ہوں گے
آلام کے پردوں میں آرام نہاں ہوں گے

مُنکر تو کبھی بھید دل کو جان نہیں سکتا
باتوں میں کوئی اس کو پہچان نہیں سکتا

۱۹۲۸ء

لارڈ اُلین کی دُختر

جس وقت جزیرہ الوا کا سردار لارڈ اُلین کی دختر کو ہمراہ لئے ہوئے اسکاٹ لینڈ جا رہا تھا لڑکی کا باپ مع فوج کے اس کے تعاقب میں تھا اور سمندر میں بڑے زور کا طوفان آرہا تھا سردار نے لارڈ اُلین کے خوف سے اسی وقت سمندر میں کشتی ڈلوادی اور مع لڑکی کے سوار ہوکر چلدیا جب کشتی بیچ میں پہنچی بھنور میں آکر غرقاب ہوگئی سردار۔ لڑکی اور ملّاح تینوں فنا ہوگئے۔ اس نظم میں اُسی واقعہ کا ذکر ہے۔ انگریزی کے مشہور شاعر مسٹر ٹی کیمبل نے اس واقعہ کو انگریزی نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ خاکسار نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اردو نظم میں ترجمہ کر دیا ہے۔

چیخ کر ملّاح سے سردار یوں کہنے لگا — بحر کے اس پار پہنچا دے ابھی آ ناخدا
زندگی بھر میں نہ بھولوں گا کبھی احسان تیرا — اک گنی چاندی کی دونگا تیری اُجرت کا صلا

بولا وہ ملّاح پانی میں تلاطم ہے عیاں
کون ہو تم اور اس طوفاں میں جاتے ہو کہاں

سُن کے یہ سردار بولا الوا کا میں ہوں امیر — ساتھ ہے رشکِ قمر اُلین کی دختِ بے نظیر
خانماں برباد دونوں عشق کے در کے فقیر — جاں چھپاتے پھرتے ہیں پیچھے اجل کے ہیں سفیر

تین دن سے ہیں تعاقب میں وہ اُلین کے سوار
جو بنا لیتے ہیں اُف! نقشِ قدم پر رہ گذار

لارڈ بھی ہے ساتھ ان کے جو ہے بے حد خشمگیں — دیکھتے ہی قتل کر دے گا مجھے وہ بالیقیں
خوں فشاں ہو گی غمِ فرقت میں چشمِ نازنیں — رحم حالِ زار پر کھائے گا پھر کوئی نہیں

سوزِ غم سے مضطرب جل جل کے ہو گی شمع رو
ہوگا پامالِ خزاں سرسبز نخلِ آرزو

گوشِ دل سے داستاں ملاح جب یہ سُن چکا — بولا وہ مجھ کو نہیں ہے طمعِ سیم و زر ذرا
سامنا کرنا بہت دشوار ہے طوفان کا — نازنیں کے حال پر اُٹھتا ہے دل میں ولولہ

خیر دیتا ہوں خوشی سے اب میں یہ قول و قرار
دیر تک تم کو نہیں کرنا پڑے گا انتظار

گفتگو کا ختم بھی ہونے نہ پایا سلسلہ — ہو گیا اتنے میں اک طوفانِ محشر ہی بپا
آسماں برہم ہوا اور بن گیا ظلمت کدہ — فضلِ حق سے بابِ رحمت بند ہو کر رہ گیا

تند جھونکے بادِ صرصر کے غضب ڈھانے لگے
آسماں پہ بادلوں کے دَل کے دَل چھانے لگے

کان میں پڑنے لگی گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدا — جس کو سنتے ہی کلیجہ نازنیں کا ہل گیا
مضطرب ہو کر وہ بولی تو ابھی کشتی کو لا — جلد اس ساحل پہ پہنچا دے ہمیں بہرِ خدا

سامنا کرنا خدا کے قہر کا منظور ہے
دیکھنا غیظ پدر چشمِ حیا سے دُور ہے

چھوڑ دی طوفان میں کشتی خدا کے نام
ہائے یہ دشوار منزل اور یہ غربت کی شام
تھا تھپیڑوں کا سمندر میں نظام
پھر بھی لیتا ہی رہا ہمت سے مردِ نیک کام

آ گیا اس عرصہ میں ساحل پہ اُلین بھی مگر
اُس کا غصہ ہو گیا ٹھنڈا وہ منظر دیکھ کر

ڈوبتی پانی میں پھر کشتی اُسے آئی نظر
بیٹی نے اک ہاتھ سے پکڑی تھی عاشق کی کمر
دوسرا بہرِ مدد اوپر اُٹھا رکھا مگر
چیخ اُٹھا دیکھ کر نظارہ وحشت پدر

آجا اے بیٹی مری آجا مری نورِ نظر
پارۂ دل آ مری آجا مری لختِ جگر

غم میں دختر کے پدر بیتاب تھا بیزار تھا
وقت و عدے کے لئے اس کا لب گفتار تھا
عفو کرنے کے لئے عاشق کو بھی تیار تھا
اس کو پہنچا مدد لیکن بہت دشوار تھا

کشتیِ طوفاں زدہ ہونے لگی زیر و زبر
رہ گیا ساحل پہ بیچارہ تڑپتا ہی پدر ۱۹۲۹ء

مری مادرِ وطن

... سا کوئی بشر ہے　　جو دیش سے اپنے بے خبر ہے
... ہو وطن کو جب وہ اپنے　　اُس کا نہ خوشی سے قلب اُچھلے

زندہ بھی کوئی اگر ہے ایسا
کچھ ذکر نہ اس کی ہوشتا کا

... کے خطاب اُسے ملے ہوں　　دولت سے خزانے گو بھرے ہوں
... س خاک میں ملے گا　　پیدا جس خاک سے ہوا تھا

عزّت کوئی کرے نہ اُس کی
پھر خاک ہو قدر و منزلت بھی

محبت کے موتی

موتی ہیں نہاں ہزاروں لاکھوں ہاں بحر کی تہ میں بیش قیمت
چمکیلے فلک پہ ہیں ستارے اُلفت کی ہے میرے دل میں دولت
دل کے آگے مگر نہیں ہے کچھ بھی بر و بحر کی حقیقت
روشن ہے ستاروں سے زیادہ یعنی مرے دل کا داغِ اُلفت
آجا تو حسینہ میرے دل میں
دل میں سب کے تری محبت

سنہ ۱۹۳۰ء

آوارہ گرد کا گیت

ارض و سما کے مالک کون و مکاں کے مالک   غمگین و غمزدوں کے غم دُور کرنے والے
دُنیا کی کشمکش سے میں تنگ آگیا ہوں   کیوں مضطرب ہوں میں مسرور کرنے والے

کہسار کی فضائیں خاموش ہو رہی ہیں
آرام میں ہیں پتّے چڑیاں بھی سو رہی ہیں
آورہ گرد تیرے در کا ہوا ہے سائل
ان کی طرح مجھے بھی اب ہو سکون حاصل

۱۹۳۰ء

(۱)

ہر شے میں ترا یا رب جلوہ نظر آتا ہے
جس کو وہ پہ جاتا ہوں سپنا نظر آتا ہے

معلوم یہ ہوتا ہے بس فرق جزو کل میں
قطرہ کی مجھے تہ میں دریا نظر آتا ہے

تو آئینۂ دل کو کر صاف تکدّر سے
اس آئینہ میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے

مجنوں کی نگاہوں سے تو دیکھ تو اے غافل
یعنی کہ ہر اک ذرہ لیلیٰ نظر آتا ہے

اب دل کی پریشانی میں کس سے کہوں جاکر
اُس بزم میں کب کوئی اپنا نظر آتا ہے

ہستی کے سفینے کو ساحل ہے کہاں حاصل
دریائے فنا میں یہ ڈوبا نظر آتا ہے

سینے میں تڑپتا ہے ارماں ترے ملنے کا
لیکن اُسے کب کوئی رستہ نظر آتا ہے

۱۹۲۹ء

(۲)

حال رہتا ہے شب و روز پریشاں دل کا
آرزو نکلی نہ نکلا کوئی ارماں دل کا

زندگی شکل ہے اک بے سر و سامانی کی
موت کہتے ہیں جسے ہے سر و ساماں دل کا

دیکھ لیتا ہے جسے بس یہ مچل جاتا ہے　　کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہے مرے ناداں دل کا

اشکباری کے سوا کام نہیں آنکھوں کو

محشرستانِ محبّت ہے یہ طوفاں دل کا

سنہ ۱۹۲۸ء

(۳۳)

جان و دل ہم نثار کرتے ہیں　　اِس طرح اُن کو پیار کرتے ہیں

اُن سے اُمید ہے وفا کی ہمیں　　دِل جو لیکر فگار کرتے ہیں

تیر طعنوں کے یہ رقیب آخر　　کیوں مرے دل کے پار کرتے ہیں

آبلے دیکھ اپنے وحشی کے　　یہ خزاں کو بہار کرتے ہیں

کر کے وعدہ بھی یہ جو اب آیا

آپ کیوں انتظار کرتے ہیں

سنہ ۲۸ء

(۴)

اظہار غم کا بعد کو سودا کرے کوئی — پہلے اثر کی راہ تو پیدا کرے کوئی
ذوق نظر کے ضبط کا ہے اقتضا یہی — کچھ دل کے آئینہ ہی میں دیکھا کرے کوئی
آیا پیام ہوش پیامِ اجل کے ساتھ — کیا خاک زندگی کی تمنّا کرے کوئی
پرواز کا تو بعد میں ہوتا ہے امتحاں — در تو قفس کا پہلے ذرا وا کرے کوئی
لو کھل گیا معمہ حیات و ممات کا — اک انقلاب زیست میں پیدا کرے کوئی

آیا یہاں جو بھول بھلیاں میں پھنس گیا
کیا راہ اس طلسم میں پیدا کرے کوئی

۱۹۲۹ء

(۵)

میرے مذہب میں کہاں نقش دوئی کا نام ہے — طالب گل کو چمن میں خار سے کیا کام ہے
میرا بس ہو تو مٹا دوں سارا رنگِ امتیاز — قصۂ دیر و حرم تو اک خیال خام ہے
کعبۂ دل کی پرستش میں ہے روحانی طرب — ماسوا کہتے ہیں جس کو مجمعِ آلام ہے

ہے منوّر دل کا کاشانہ خدا کے نور سے　　صبح صادق سے ہے روشن تر وہ اس کی شام ہے

صاحب ہمت نہیں ڈرتے ہیں مرنے سے کبھی
موت کیا اُن کے لئے ہے زیست کا پیغام ہے

ستمبر ۲۹ء

(۶)

چہرہ کیفیت باطن کا پتہ دیتا ہے　　حالِ دل دیکھنے والوں کو سنا دیتا ہے
کم نہیں خواب گراں سے مئے ہستی کا نشہ　　رفتہ رفتہ یہ ہمیشہ کو سُلا دیتا ہے
گلشنِ دہر میں ہیں پھول تو لاکھوں لیکن　　کوئی ایسا بھی ہے جو بوئے وفا دیتا ہے
بھولنا اپنی حقیقت کا ہے پیغام فنا　　غنچہ گلشن میں چٹک کر یہ صدا دیتا ہے
دیکھ کر نقشِ قدم چاہیے سجدہ کرنا　　آنیوالوں کو جو پہلے ہی سُجھا دیتا ہے
بے ثباتی ہی پہ قائم ہے بقائے عالم　　زیست کا ذائقہ پیغام فنا دیتا ہے
عرض سے ہو نہیں سکتا کبھی جوہر کو مفر　　وہ مگر عرض سے جوہر کو اُڑا دیتا ہے

تجھ کو دیتا نہیں نیرنگ زمانہ دھوکا
فعل تیرا تجھے انسان دغا دیتا ہے

ستمبر ۲۹ء

(٧)

کسی سے کیا محبت ہے کسی سے کیا عداوت ہے
عداوت سے عداوت ہے محبت سے محبت ہے

یہ ترتیب عناصر بھی ہوئی بنیاد اُلفت پر
یہ شیرازہ ہے ہستی کا کہ تصویر محبت ہے

گلوں کا جو تبسم ہے وہی گریہ ہے شبنم کا
یہ ہنسنا بھی قیامت ہے وہ رونا بھی قیامت ہے

نشاں بوئے محبت کا نہیں ان لالہ رویوں میں
وہ نازاں جس پہ رہتے ہیں وہی رنگ کدورت ہے

جوانی میں بشر ہوجاتا ہے کس واسطے اندھا
خمار بے خودی ہوتا ہے یہ یا کیف اُلفت ہے

۲۸ء

(۸)

جدائی کی ابھی منزل کیا کڑی ہے — مرے سر پر قیامت کی گھڑی ہے
قیامت سے ہے پہلے ہی قیامت — اجل سر پر لئے خنجر کھڑی ہے
تجھے کیا ہو گیا اے قلبِ مضطر — تری آنکھ آج یہ کس سے لڑی ہے
سنائیں گے کبھی فرصت میں دل کی — کہانی یہ نہیں چھوٹی بڑی ہے
نگاہِ ناز کا چرچا ہے گھر گھر — مجھی پر کیا زمانے پر کڑی ہے
نہیں رکتے مرے اشکِ مسلسل — یہ آنسو ہیں کہ ساون کی جھڑی ہے
شہیدِ ناز نے دی تھی یہ آواز — جہاں میں عشق کی منزل کڑی ہے

جسے دیکھو ہے اپنے شوق میں مست
کسی کو کیا کسی کی اب پڑی ہے

سنہ ۲۸ء

(۹)

جن کی قسمت ہی میں ناکامی کے ساماں ہوں گے — غم و اندوہ سے وہ کس لئے نالاں ہوں گے

بعد مرنے کے بھی جائے گا نہ یہ جوشِ جنوں — خاک میں دفن مرے دل کے نہ ارماں ہوں گے
حسنِ سیرت ہی جو سچ پوچھو تو ہے قابلِ قدر — حسنِ صورت کو فدائی بھی کچھ انساں ہوں گے
اپنی عادت وہ نہ بدلیں گے تو اربابِ وفا — تختۂ مشقِ جفا بن کے بھی شاداں ہوں گے

داغِ دل لالہ و گل بن کے زمیں پر رہ جائیں
آسماں پر یہ مگر اخترِ تاباں ہوں گے

۲۹ء

(۱۵)

ستارے رات بھر نیرنگئ عالم پہ روتے ہیں — مثالِ چشمِ شبنم دامنِ شب کو بھگوتے ہیں
خزاں کا آنا ہی پیغام ہے بادِ بہاری کا — اجل آتی ہے تو پھر زیست کے سامان ہوتے ہیں
تصور پر پڑا رہتا ہے اک غفلت کا پردہ سا — نہ بیداری کا عالم ہے [illegible] ہی میں سوتے ہیں
بتا دے کیا کریں اے خضر ہم آبِ بقا پی کر — ہزاروں یاں تو تیری پہ سے ساحل پہ پیاسے ہیں
بنا لیتے ہیں عاقل دل میں گھر سوزِ محبت کا — بہت نادان فرقت میں کسی کی جان کھوتے ہیں
اگر راہِ طلب میں وادئ پُر خار ہے کیا غم — قبائے گل کے دامن میں ہمیشہ خار ہوتے ہیں

بڑھا کرتی ہے زینت حسن کی اک جذبۂ دل سے
کہ لاکھوں فتنے جس کے پہلوئے حسرت میں سوتے ہیں

سنہ ۲۸ء

(۱۱)

حالِ دل اب کہا کرے کوئی — چپکے چپکے سنا کرے کوئی
دردِ دل کی دوا کرے کوئی — کرکے وعدہ وفا کرے کوئی
بنکے گوہر لٹا کرے کوئی — اشک ہو کر بہا کرے کوئی
اب دمِ نزع ہے دوا کیسی — میرے حق میں دعا کرے کوئی
دیکھنا ہے خلافِ رسمِ ادب — کس لئے آنکھ وا کرے کوئی
ہیں غم و رنج زندگی کے شریک — بعد مرنے کے کیا کرے کوئی
پیچھے انعام کا بھی طالب ہو — حق تو پہلے ادا کرے کوئی

کیا نظر دوربیں میں آتا ہے
چشمِ عبرت کو وا کرے کوئی

سنہ ۲۹ء

(۱۲)

حیران کر سکیں گے نہ لعلِ یمن مجھے
سرمہ ہے آنکھ کا مری خاکِ وطن مجھے

پروردۂ حیا ہوں نہ آؤں گا دام میں
آنکھیں تو کیا دکھاتا ہے اے راہزن مجھے

ہوں مہرِ تابناک کا ممنون کس لئے
ذرہ ہر ایک خاک کا ہے ضوفگن مجھے

ہے ہر قدم پہ گرچہ حوادث سے واسطہ
لیکن مٹا سکے گا نہ دورِ زمن مجھے

پھولے پھلے گا سلسلہ ترا نخلِ آرزو
پیغام دے رہا ہے یہ رنگِ چمن مجھے

زنداں کے قید و بند سے آزاد ہے یہ روح
عشرت کدہ ہے اس لئے دار المحن مجھے

حبِ وطن کا جوش ہے سر میں بھرا ہوا
ہر وقت ملک و قوم کی اب ہے لگن مجھے

انوار فلسفہ ہوں کسی کے دماغ میں
خود رفتہ کر رہا ہے جنونِ سخن مجھے

۲۹ء

(۱۳)

کہاں تک ہو تماشا دیں میری نگاہیں
تری ارض و سما ہیں جلوہ گاہیں

غضب ڈھاتی ہیں وزدیدہ نگاہیں ۔ کہ چھپکے چھپکے کرلیتی ہیں راہیں
بتوں کو کرلیا سجدہ خطا کیا ۔ یہی تو حسن کی ہیں بارگاہیں
بگولہ بن کے پھرتا ہوں پریشاں ۔ نہیں ملتیں مگر اس در کی راہیں
تقاضا تو محبّت کا یہی ہے ۔ جو اُن کو چاہتا ہے اس کو چاہیں
اگر ہم مُدعی ہیں راستی کے ۔ زباں سے جو کہیں اس کو نباہیں

ہنسی آتی ہے ہم کو حالِ دل پر
کیا کرتا ہے جب فرقت میں آہیں

سنہ ۳۰ء

(۱۴)

حُسنِ ظاہر پر بھی اک پردا کیا ۔ سب کو آنکھیں دیں مگر اندھا کیا
اُس بُتِ ہرجائی کو مانندِ ماہ ۔ اپنی ہی جانب ہر اک سمجھا کیا
کام بیکاروں کو جب کوئی نہ تھا ۔ بیٹھے بیٹھے عشق کا سودا کیا
رازِ دل دونوں نہ ظاہر کر سکے ۔ وہ مجھے اور میں اُسے دیکھا کیا

دل کے آئینہ کو غم کی ٹھیس نے — اس قدر توڑا کہ بس چورا کیا
وہ تو آنکھوں میں جگہ پاتے رہے — خار بنکر ہیں مگر کھٹکا کیا

ہے بہت دشوار بہکانا مرا
تو نے اے واعظ یہ کیا دھوکا کیا

سنہ ۱۹۳۰ء

(۱۵)

اور کیا چیز ہے بربادی کا ساماں ہونا — خاک سے خاک کے پتلے کا نمایاں ہونا
اہلِ جنت کو مبارک ہوں فرشتوں کے خیال — اہلِ دنیا کو فقط چاہیے انساں ہونا
ذوقِ نظارہ میں لے دیدۂ نرگس سے سبق — تو نے سیکھا ہی نہیں ہے ابھی حیراں ہونا
خانۂ دل میں نہ رہنا تھا تجھے یوں اے یاس — عیش و عشرت کی طرح چاہیے مہماں ہونا
قتل دشوار ہے ہم جیسے گراں جانوں کا — سہل ہے یوں تری شمشیر کا عریاں ہونا
آرزو ایک بھی دل میں مرے باقی نہ رہی — دیکھیے مفلس کا کوئی خاک بداماں ہونا
ایسے معصوم کی غفلت کا ٹھکانا کیا ہے — جو ہیں قتل بھی جانے نہ پشیماں ہونا

سنہ ۳۰ء

(۱۶)

حقیقت سے یہ مانا دُور ہوں میں　　محبت میں مگر مسرور ہوں میں
مری فطرت ہے وقفِ خاکساری　　تکبر کے سبب منصور ہوں میں
زمانہ پر حکومت چاہتا ہوں　　مطیعِ نفس ہوں مجبور ہوں میں
صداقت کی ضیا پاشی ہوئی جب　　تو دیکھا جہل میں مستور ہوں میں
مجھے بھاتا نہیں جنت میں رہنا　　گنا ہوں میں بہت مشہور ہوں میں
لگی لپٹی نہیں رکھتا کسی کی
بہت بیباک ہوں مغرور ہوں میں

۱۹۳۰ء

(۱۷)

موجود اگر دل غمِ نہاں کے لئے ہے　　حاضر یہ مری جان بھی مہماں کے لئے ہے
بسمل نظر آئے گا کسی دن سرِ مقتل　　یہ قلبِ حزیں خنجرِ جاناں کے لئے ہے
گھبرائے تکالیف سے کیوں مردِ اولوالعزم　　کہتے ہیں جسے رنج وہ انساں کے لئے ہے

کیا خوب ہے آپس میں غم و جاں کا تعلق — ہے غم کے لئے جان تو غم جاں کے لئے ہے
دیکھیں تو تجلی کو ذرا دیکھنے والے — ذرہ میں نہاں طور بھی انساں کے لئے ہے

یہ روح کبھی قید کی پابند نہ ہوگی
کیا غم ہے مرا جسم جو زنداں کے لئے ہے

سنہ ۳۰ء

(۱۸)

کیا حال پوچھتے ہو دل داغدار کا — پہلو میں دیکھتا ہوں تماشا بہار کا
بخشا فروتنی نے یہ رتبہ کہ بعد مرگ — ہر ذرہ عرش بوس ہے میرے مزار کا
انسان کیا بچے خلش روزگار سے — ہر پھول صحن باغ میں زخمی ہے خار کا
گم اس قدر ہوا ہوں کہ دنیائے راز میں — دشوار کھوج ہو گیا لیل و نہار کا
دوش صبا پہ آئی تھی صحن چمن سے بو — قید قفس میں دے گئی مژدہ بہار کا
تاراج ہو گی ایک نہ اک دن بہار زیست — یہ ہے شگون مرے دل آئینہ دار کا
کیا بات تھی جو سنتے ہی دل کی کلی کھلی — آنا تھا کان میں مرے صوت ہزار کا

سنہ ۳۰ء

(۱۹)

دل سے مرے جو اُٹھ گیا پردہ رُخِ مجاز کا
نقشہ نظر میں کھنچ گیا تیرے حریمِ ناز کا

بڑھتی رہیں کدورتیں مٹنے نہ پائیں کاہشیں
پڑتا رہا دلوں پہ جو سایہ رُخِ مجاز کا

سجدے درِ حبیب پر کرتے رہے تمام عمر
پھر بھی ادا نہ ہو سکا ہم سے تو حق نماز کا

خوابِ گراں سے کھل گئی آنکھ ہی ذوقِ دید میں
آنا تھا کان میں مرے نغمۂ جاں نواز کا

اُٹھی صدائے درد کیا دل سے کہ نغمہ بن گئی
تارِ نفس نے دیدیا کام جو تارِ ساز کا

زیست وہ کیا کہ جس سے دل محو رہے سکون میں
موت وہ کیا کہ نظم ہو جس میں سکوتِ ساز کا

سنہ ۳۰ء

(۲۰)

یہ آرزو ہے دل میں تری آرزو رہے　　اس گھر میں کوئی بھی نہ رہے تو ہی تو رہے
دل میں ہجوم یاس کی کچھ انتہا نہیں　　گھر میں جگہ بھی ہو جو تری آرزو رہے
لائے گا رنگ خونِ محبت کبھی ضرور　　اے گل نہ تو رہے نہ تری رنگ و بُو رہے
پینے کا جب مزہ ہے کہ آ جائے وہ خمار　　رگ رگ میں موجِ مے ہو نہ باقی لہو رہے
کہتا ہوں دل سے جوشِ محبت میں بار بار
اے پردہ دار دیکھ مری آبرو رہے

۳۰ء

تضمین بر غزل غالب

دوست دشمن مہرباں نامہرباں کوئی نہ ہو   قدرداں کوئی نہ ہو ناقدرداں کوئی نہ ہو
واقف اسرار غم ہائے نہاں کوئی نہ ہو   رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

ماتم قلب حزیں تنہا منانا چاہیے   درد و غم اپنا نہ دنیا کو سنانا چاہیے
اب تو بس جنگل ہی میں ڈیرا لگانا چاہیے   بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

بے قراری ہی سے دل کی دل کو آجائے قرار   شام غربت ہو تو ہو کیوں ہو کسی کا انتظار
بے بسی میں بھی نہ ہو سر پہ کسی احسان کا بار   پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

سنہ ۳۰ء

تضمین بر غزل محروم

دُنیا

کہنے کو انتخاب ہے دُنیا　　مرکزِ آفتاب ہے دُنیا
پھر بھی لیکن حباب ہے دُنیا　　نقش بر سطحِ آب ہے دُنیا
بلکہ موجِ سراب ہے دُنیا

رازِ الفت سے آشنا نہ ہوئی　　رنگِ وحدت میں بھی رنگی نہ گئی
ساتھ ہیں اس کے گردشیں اس کی　　ایک حالت پہ رہ نہیں سکتی
پیکرِ انقلاب ہے دُنیا

نقشِ حیرت ہے زندگی اپنی　　غم کی صورت ہے زندگی اپنی
درسِ عبرت ہے زندگی اپنی　　شبِ غفلت ہے زندگی اپنی
اس میں نیرنگِ خواب ہے دُنیا

ایک مٹتی ہوئی نشانی ہے　　کون کہتا ہے جاودانی ہے

بہتی گنگا ہے بہتا پانی ہے   چند روزہ ہے اور فانی ہے

پھر بھی کیا لاجواب ہے دُنیا

روئیں اس کی کہاں وہ بہتے ہیں   سنتے رہتے ہیں کچھ نہ کہتے ہیں

غم اُٹھاتے ہیں رنج سہتے ہیں   ہوشیار اس سے بچ کے رہتے ہیں

کہ نہایت خراب ہے دُنیا

کوئی سمجھے نہ دل لگی اس میں   پھنس کے رہتا ہے آدمی اس میں

خیر دیکھی نہ جان کی اس میں   تا جوانی ہے دلکشی اس میں

ہیچ بعد شباب ہے دُنیا

اپنی قسمت ہے اپنا ہے مقسوم   کیوں ہیں ہر لحظہ ہر گھڑی مغموم

یہی آشفتگی کا ہے مفہوم   ہم سمجھتے ہیں خوب اے محروم

جائے صد پیچ و تاب ہے دُنیا

سنہ ۳۰ء

متفرقات

زمیں سے آسماں تک اڑ رہی ہیں پھوٹ کر ذرّے — الٰہی یہ ہوا کیسی چلی ہے آشیانوں میں
پھلیں گے دیکھنا آنسو ہی کشتِ آرزو بن کر — کسی کی زندگی مستور ہے ان بکھرے دانوں میں

ہے پیکرِ خاکی میں نہاں گرد و کدورت — انسان کی فطرت میں ہو پھر دخل وفا کیا

کیوں صبا ہو رہی ہے متوالی — پیچھے پیٹیں گی پتیاں تالی
اڑ کے کہتے ہیں خاک کے ذرے — کب تک آخر رہے گی پامالی
جب صبا نے دیا پیامِ فنا — سجدے کرنے لگی ہر اک ڈالی

ضدین کا تماشا دنیا بنی ہوئی ہے — مدِّ نظر بقا ہے پیشِ نظر فنا ہے

محبت کی دنیا میں لے چل الٰہی　　یہ دنیا محبت کے قابل نہیں ہے
مقدّر سے ٹوٹی جہاں نوکِ خنجر　　جگہ وہ رگِ جاں کے بالکل قریں ہے

روتا رہتا ہے کبھی اور کبھی ہنستا ہے　　حال رہتا ہے دگرگوں تری سودائی کا

واہ رے چشمِ تصوّر واہ رے چشمِ خیال　　دل کے آئینہ میں ہم کیا کیا سماں دیکھا کئے
لالہ و گل کے تھی نظارہ کی فرصت ہی کسے　　رر زر پہلو میں نیا داغِ نہاں دیکھا کئے

زندگی بھر آ نہیں سکتا رہائی کا خیال　　قید جس کو کر دیا بس محوِ زنداں کر دیا
اشکِ خوں میں داغِ دل سوزِ دروں کیا کیا دیئے　　پیکرِ خاکی کا پہ شعلوں سے داماں کر دیا
رہ گئی حیران تری ذرّہ نوازی دیکھ کر　　دی یہ مشتِ خاک کو عزّت کہ انساں کر دیا

دستِ ساقی کا بھی ممنون نہ ہونے پایا　　خود ہی لبریز مری عمر کا پیمانہ ہوا

جلی بجھی وہ بھی تو خود آہ غمِ فرقت میں　　　گُل کے نابود اگر شمع پہ پروانہ ہوا
سحر ہے تیرے لبوں میں کہ کوئی معجزہ ہو　　　ہل گئے جس کی طرف تیرا ہی مستانہ ہوا
ہو کے آزاد بھی بیٹھا ہو دیرِ زنداں پر
ایسا مجنوں ہوا ایسا ترا دیوانہ ہوا

کچھ نہ کچھ کرنے کو انسان ہوا ہے پیدا　　　شغل اچھا نہیں ہوتا کوئی بیکاری کا

جوشِ نمو زمین کا ہے وقفِ خار زار　　　دامانِ گلستاں میں گل و یاسمن کہاں
دونوں کو سوجھی دُور کی دونوں ہوئے خراب　　　دُنیا میں اب وہ شیخ کہاں برہمن کہاں

بھلائے بیٹھے ہیں دل سے تو وعدہ فردا　　　کمال یہ ہے کہ پھر بھی وہ شرمسار نہیں
اُٹھائے گا وہ مزے کیا گلِ محبت کے　　　جو خارِ عشق سے صحرا میں دلفگار نہیں
جنونِ عشق سے ہونے لگے گریباں چاک　　　یہ مانا ہم نے ابھی موسمِ بہار نہیں

حسرتوں کو پیس ڈالا آسیائے چرخ نے　　اب تو دل کی حسرتوں کا خون ہی بس دل میں ہے
جوہر الفت دوبالا یوں ہوا ہے داغ سے　　وجہ زینت جس طرح دھبہ مہ کامل میں ہے

رک گیا مژگاں میں آکر آہ میرا طفل اشک　　قاصد دل بن کے آیا تھا کہ زیر دام ہے

پیشینگوئی کرتے ہیں وہ کل کے واسطے　　جن کو خبر نہیں ہے زمانہ میں آج کی

عاری ہیں اپنی زیست سے اب شیخ و برہمن　　خیرات لیجئے نہ کبھی دان لیجئے

سر میں سودا ہو تو تیرا ہی فقط سودا ہو　　دل میں تیری ہی رہے یاد اگر یاد رہے

سفینہ کو ہستی کے بحر فنا میں　　کسی روز ڈوبا ہوا دیکھ لینا

چرخِ کہن کے جور سے تنگ آ گئے ہیں سب — یارب کوئی اب اور نیا آسماں بنا
بوئے وفا نہیں ہے تو کس کام کا ہے پھول — اچھا تو ہے وہ خار جو دامن کشاں بنا
سیراب آنسوؤں سے ہوئی کشتِ آرزو — برباد ہو کے خرمنِ دل گلستاں بنا

ہے اگر مدِ نظر ایک اصولِ فطرت — ہو نہیں سکتے کبھی موت کے ساماں پیدا
دل کے کعبہ کی پرستش تو ہے لازم لیکن — زندگی کے لئے اس میں نہ کر ارماں پیدا
ہو گیا عقل کا جب دخل خدائی میں تری — بات کیا بات میں کرنے لگا انساں پیدا

بھری ہیں سیکڑوں رنگینیاں حسنِ جوانی میں — لرز جائیں گے شعلے بھی اگر تنویر دیکھیں گے
نہیں پھنسنے کے وہ دیر و حرم کی دلفریبی میں — کہ جو پہلو ہی میں اپنے تری تصویر دیکھیں گے

قطعہ تاریخ بر کتاب نیرنگ فطرت

چکیدۂ قلم جواہر رقم جناب منشی محمدؐ صدیق صاحب تصدق کامل

چو گلگشتِ کردم بہ گلزارِ معنی | کہ موسوم گشتہ بہ نیرنگِ فطرت
ز سر تا قدم آنچہ دیدم چہ گویم | فسونِ فصاحت طلسمِ بلاغت
ز ہر صفحۂ ساحتِ گلستانے | در آمد بچشمم بصد زیب و زینت
نمایاں ز ہر سطرِ او موجِ کوثر | ہویدا از ہر شعرِ او شانِ قدرت
مضامینِ او طرفہ و نازک و تر | بگردوں رسیدہ تخیّل ز رفعت
ز الفاظ پیدا تصاویرِ معنی | بمعنش پنہاں تصاویرِ فطرت
حروفش ہمہ طرۂ زلفِ خوباں | نقاطش ہمہ خالِ حورانِ جنّت
بہر گوشۂ او ز شیوا بیانی | بہر دم زند موجِ بحرِ فصاحت
ز شمعِ زباں تافتہ نورِ دانش | ز حسنِ بیاں یافتہ نطق زینت
بیانش چناں فطری و شوخ و دلکش | تو گوئی کشیدست تصویرِ فطرت

...پر کمال ست ذاتِ مُصنّف　　مُصنّف چناں چوں ندارد لطافت

...سنج و خوش فکر و خوشگو سخنور　　فہیم و ذکی نکتہ دانِ بلاغت

...ن چہ انغز و نادر بنا شد　　کہ باشد بہر رنگ شاگردِ ندرت

...ت در رم وصف او چوں بگویم　　طلسم معانیست نیرنگِ فطرت

...ہار در فکر تاریخ بودم　　بگوشم ندا داد ہاتف بعجلت

... دا از دستبُردِ خزانی　　بہارِ کلام اہے کہ نیرنگِ فطرت
۴۹　۱۴

...م چہ خوش گفتہ سالِ ہجری　　برائے سنِ عیسوی ہم اشارت

بخندید و زد نعرہ کاے تصدق

صلاحِ سخن گنجِ نیرنگِ فطرت
۳۱　۶　۱۹

غلط نامہ کتاب سپنا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۸	یہ	ہو
۳۶	۷	پر	بچے
۳۷	۲	پھر	کیا
۴۱	۱۲	سیاروں	تاروں
۷۱	۳	سانپ بھی	سانپ
۷۲	۲	رہستہ	رستہ اک
۸۹	۹	ہیں	ہیں
۹۹	۵	بھاتا	بھایا
۱۰۳	۱	چاند	رسالہ چاند
۱۰۹	۳	دکھا	دکھاتا
۱۱۰	۵	اسی	اسس
۱۱۵	۹	لیو	لیو
۱۲۰	۱۱	کھینچ	کھینچ
۱۲۱	۱	آمادم	آلام
۱۲۳	۷	دور تک جو راستہ جاتا ہے	جا رہا ہے دور تک رستہ جو
۱۲۷	۶	بھی	بھاگ کر
۱۳۹	۸	لیس	لو
۱۳۹	۱۵	چھوڑ کر	چھوڑ دے

ضروری التماس

کوئی صاحب اس کتاب کو کلیتاً یا جزءاً بلا اجازت
طبع فرمانے کا ہرگز قصد نہ کریں ورنہ بجائے فائدے کے
نقصان اٹھائیں گے، البتہ جس قدر جلدیں مطلوب
ہوں منیجر اردو بک ڈپو ماچھرہ ضلع میرٹھ
سے طلب فرمائیں